آئینے کا راز

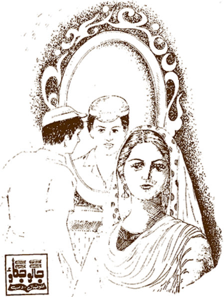

آئینے کا راز

نونہال ادب
ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، کراچی

http://updf.weebly.com/

فہرست

آئینے کا راز ۵

انجینیر کا انگوٹھا ۲۹

قدرت کا انتقام ۵۵

باورچی خانے میں موت ۷۳

آئینے کا راز

کاشف نے کمرے میں داخل ہوتے ہی، مینٹل پیس پر لگے آئینے کا جائزہ لیا۔ یہ ایک بہت خوب صورت بیضوی آئینہ تھا جس کا شیشہ سنہرا تھا۔ آئینے میں سارا کمرا نظر آ رہا تھا۔ کاشف نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لینا شروع کیا۔ تھوڑی سی ایک طرف کو جھکی ہوئی ٹوپی، دبلا پتلا چہرہ اور بڑی بڑی روشن آنکھیں!!

"میں نے یہ آئینہ اس لیے نہیں خریدا ہے کہ بے کار لوگ اس میں ہر وقت اپنا چہرہ دیکھتے رہیں۔" کاشف کی امّی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر یہ آپ نے کس لیے خریدا ہے؟" کاشف نے پوچھا۔

"اس لیے کہ یہ بہت خوب صورت ہے۔ کیوں، ہے نا؟ اور خاص کر کے اس کا سنہرا فریم بہت ہی نفیس ہے۔" امّی نے کہا۔

"امّی! میرے خیال میں تو یہ خاصا مہنگا ہوگا۔ کیا ابّو کو پتا ہے کہ آپ نے اتنا مہنگا آئینہ خریدا ہے؟ نہ جانے وہ کیا کہیں گے؟"

"وہ بہت خوش ہوں گے۔ ہمیں اسی قسم کے ایک بڑے آئینے ہی کی ضرورت تھی اور اتفاق سے یہ سستا مل گیا۔"

"سستا؟" کاشف نے حیران ہو کر کہا، "آپ نے کہاں سے لیا؟"

"میں نے یہ پرانی چیزوں کی دکان سے لیا ہے۔ وہ جو صدر بازار میں

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

ایک بڑی سی دکان ہے جہاں پُرانا سامان فروخت ہوتا ہے، وہیں سے لائی ہوں۔ میں وہاں سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس دُکان پر میری نظر پڑی۔ دکان دار تو تھا نہیں، اس کی بیوی تھی۔ اس نے مجھے کئی آئینے دکھائے مگر مجھے کوئی پسند نہ آیا۔ پھر وہ یہ آئینہ لے آئی اور میں نے اسے دیکھتے ہی خرید لیا۔"

شام کو جب کاشف کے ابّو گھر آئے، تو انھیں بھی یہ آئینہ بہت پسند آیا۔ واقعی یہ ایک قیمتی آئینہ تھا جو سستا مل گیا تھا۔ شام کو چائے پی کر سب لوگ اسی بڑے کمرے میں بیٹھے تھے۔ ابّو اخبار پڑھ رہے تھے، امّی سوئٹر بُن رہی تھیں اور کاشف اسکول کا کام کر رہا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ امی نے ابّو کی طرف دیکھا۔ "کون ہو سکتا ہے؟" انھوں نے کہا۔

"کیا طارق آنے والا تھا؟" ابّو نے پُوچھا۔

"نہیں، مگر وہ تو ہمیشہ پچھلے دروازے سے آتا ہے۔ وہ گھنٹی کہاں بجاتا ہے۔" کاشف نے جواب دیا۔

گھنٹی پھر بجی۔

کاشف نے جلدی سے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ باہر ایک آدمی کھڑا تھا جس کی چھوٹی سی داڑھی اور مُونچھیں تھیں۔ اس نے ایک لمبا سا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ سر پہ کالی ٹوپی تھی۔

"معاف کیجیے گا، کیا مسز حق یہاں رہتی ہیں؟"

"ہاں، وہ میری امّی ہیں۔ کیا آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"جی ہاں، ذرا انھیں بُلا دیجیے۔ میرا نام تھامس ہے اور مجھے ان سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس شخص نے بہت ہی عاجزی سے کہا۔

"آئیے، اندر آ جائیے۔ میں انھیں بُلاتا ہوں۔" کاشف نے کہا۔

"شکریہ۔" اس نے لاؤنج میں آتے ہوئے کہا۔

مسز حق لاؤنج میں آگئیں جہاں یہ لوگ کھڑے تھے۔ اس آدمی نے انھیں

ادب سے سلام کیا اور کہا:

"میرا نام تھامس ہے، آپ نے آج صبح میری دکان سے ایک آئینہ خریدا ہے۔"

"ہاں، آج صبح میں نے ایک آئینہ خریدا تو ہے، مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ آپ کی دُکان ہے۔"

"جی ہاں۔ "گڈ بارگین" میری ہی دکان ہے۔ میرا نام تھامس ہے اور صبح میری بیوی دکان پر تھی۔"

کاشف نے غور سے اس آدمی کی طرف دیکھا۔ اس کے ہر انداز سے ایک پریشانی اور بے قراری ظاہر ہو رہی تھی اگرچہ وہ اپنی اس کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مگر آپ کو ہمارا پتا کیسے معلوم ہوا؟" کاشف نے حیرت سے پُوچھا۔

تھامس کاشف کی طرف مُڑا اور بولا:

"ہم ہر خریدار کا نام اور پتا لکھ لیتے ہیں۔ تمھاری امّی کو یاد ہوگا کہ رسید پر انھوں نے اپنا نام اور پتا لکھوایا تھا۔"

"ہاں، مگر یہ تو بتائیے مسئلہ کیا ہے؟" مسز حق نے پُوچھا۔

"کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میری بیوی نے غلطی سے وہ آئینہ آپ کے ہاتھ بیچ دیا جو کسی اور گاہک کے لیے رکھا تھا۔ ہم اسے پہلے ہی بیچ چکے تھے۔ ہم اس بات پر شرمندہ ہیں کہ ہم نے ایک بیچی ہوئی چیز آپ کے ہاتھ بیچ دی۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ میں یہ آئینہ آپ کو واپس کر دوں؟" مسز حق نے کہا۔

"جی ہاں محترمہ، آپ کی بہت مہربانی ہوگی اگر آپ ہمیں یہ آئینہ لوٹا دیں۔ اس کے بدلے میں آپ ہماری دکان سے جو آئینہ چاہیں لے سکتی ہیں۔ میں آپ کو اسی قیمت پر کوئی سا بھی آئینہ، جو آپ پسند کریں، دے دوں گا۔"

"مجھے تو کوئی دوسرا آئینہ نہیں چاہیے۔ مجھے یہی پسند ہے اور میں اسے قیمت

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

دے کر خرید چکی ہوں۔" مسز حق نے کہا۔

"محترمہ، آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ آئینہ میرے کسی اور گاہک کا ہے۔ میں اسے پہلے ہی بیچ چکا ہوں۔ مہربانی کر کے اسے واپس کر دیجیے۔ ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے لیے اس جیسا ہی دوسرا آئینہ ڈھونڈ لوں۔" تھامس نے عاجزی سے کہا۔

"تو پھر آپ اپنے دوسرے گاہک کے لیے ایسا ہی ایک اور آئینہ ڈھونڈ لیں۔" مسز حق نے کہا۔ اب ان کے لہجے میں ناگواری صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"محترمہ! میں آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ آئینہ جو میری بیوی نے آپ کے ہاتھ بیچا ہے میرا نہیں ہے، میری بیوی نے غلطی سے اسے آپ کو دیا ہے۔ یہ آئینہ تو حقیقت میں کسی اور کی ملکیت ہے۔" تھامس نے بدستور اسی لہجے میں کہا۔

"اچھا، میں اپنے شوہر سے بات کرتی ہوں۔" مسز حق نے کہا۔

"ضرور، ضرور۔ وہ یقیناً میری مشکل کو سمجھیں گے۔ اس لیے کہ وہ خود بھی ایک تاجر ہیں۔" تھامس نے کہا۔

مگر مسٹر احسان الحق نے بھی اپنی بیوی کا ساتھ دیا۔ انھوں نے تھامس سے کہا:

"دیکھیے جناب! یہ آئینہ میری بیوی خرید چکی ہیں۔ اس کی قیمت بھی انھوں نے پوری پوری ادا کر دی ہے، اب یہ ان کی مرضی ہے کہ وہ یہ آئینہ واپس کریں یا نہ کریں۔"

"جناب۔" تھامس یہ سن کر خاصا پریشان ہو گیا اور ہاتھ مل کر کہنے لگا: "کاش! آپ میری مشکل کو سمجھتے۔" پھر وہ کچھ سوچ کر بولا: "اگر میں ایسا ہی دوسرا آئینہ آپ کو لا دوں؟"

"ہاں، اگر آپ اس جیسا دوسرا آئینہ ہمیں لا دیں تو ہم یہ واپس کر دیں گے۔" حق صاحب نے کہا۔

"ہاں۔ یقیناً ان شاءَ اللہ تھوڑے ہی دنوں میں۔" مسز حق نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں آپ کو ایسا ہی آئینہ لا دوں گا۔" تھامس نے کہا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ اس جیسا دوسرا آئینہ لے آئیں گے؟"

"جناب! مجھے پورا پورا یقین ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر آپ دوسرا آئینہ اپنے دوسرے گاہک کو دے آئیے۔ یہ آئینہ تو بس اب ہم نے خرید لیا ہے اور یہ ہمارا ہے، قصہ ختم۔" حق صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

حق صاحب کی بات سن کر تھامس کا چہرہ اتر گیا۔ وہ ایک لمحے خاموش کھڑا رہا اور پھر بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا۔

"کمال ہے! میں نے آج تک کوئی ایسا دکان دار نہیں دیکھا جو بکی ہوئی چیزیں واپس لینے آئے۔ اس طرح کی حرکتوں سے کہیں کار بار چلتے ہیں! میں تو اس دکان پر اب کبھی بھی نہیں جاؤں گی۔" مسز حق نے ناگواری سے کہا۔

"چلو مت جانا۔ بس اب یہ آئینہ تمھارا ہے۔ تمھیں کیا پریشانی ہے؟" حق صاحب بولے۔

اگلی صبح کاشف سو کر اٹھا تو اسے سخت نزلہ تھا اور سر بھی بھاری ہو رہا تھا۔ اس کی امی نے کہا: "آج تم سارا دن گھر میں رہو گے اور بستر پر لیٹے رہو گے۔"

کاشف کو اس طرح کمرے میں بند بستر پر پڑے رہنا سخت ناگوار ہو رہا تھا۔

"امی! ذرا سے زکام کے لیے میں سارا دن گھر میں بند بستر پر پڑا رہوں؟"

"ہاں، نزلے کا یہی علاج ہے۔ یہ تمھارے لیے ہی نہیں دوسروں کے لیے بھی مفید ہے۔ جب تم باہر جاؤ گے تو نزلے کے جراثیم دوسروں کو بھی لگیں گے۔ تم بستر پر لیٹے رہو۔ میں تمھارے لیے جوشاندہ لاتی ہوں۔ شام تک بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"چلو خیر" کاشف نے سوچا۔ "گھر میں رہ کر بہت سے کام ہو جائیں گے۔ کچھ تصاویر کاٹ کر البم میں لگانی ہیں۔ جو کتاب پڑھنی شروع کی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ اور بھی چھوٹے موٹے کام ہیں، پھر یہ بھی اچھا ہے کہ آج بستر ہی میں لیٹے لیٹے کھانا مل جائے گا۔"

ناشتے کے بعد وہ کتاب لے کر بیٹھ گیا۔ دس بجے کے قریب اس کی امی بسکٹ اور چائے لے کر آئیں۔ "مائیں تو ہمیشہ ایسی ہی مہربان ہوتی ہیں۔" کاشف نے سوچا۔ مسز حق کو تو یوں بھی کسی بیمار کی دیکھ بھال کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ چائے رکھ کر وہ مسہری پر بیٹھ گئیں۔

"ابھی ایک آدمی آیا تھا۔ بہت ہی نیک سا لگ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا گھاس کٹوا لیں یا کوئی اور کام کروا لیں۔ بے چارہ بہت ضرورت مند تھا۔ میں نے اسے چائے اور توس دیے۔ وہ یہیں دروازے پر بیٹھ کر کھانے لگا۔"

"تو پھر آپ نے اسے اندر بُلا لیا ہوگا؟"

"ہاں بیٹے، وہ کوئی بھک منگا تو نہیں تھا۔ شریف لگ رہا تھا، کام کاج کی تلاش میں تھا۔"

"امی کسی دن نقصان نہ اُٹھا لیجیے گا۔ ہر ایرے غیرے کو آپ گھر میں بُلا لیتی ہیں۔ نہ معلوم کون ہو؟ شکل سے تو سبھی شریف لگتے ہیں۔"

"نہیں، مگر یہ شخص جو آیا تھا یقیناً شریف آدمی تھا۔ اس نے چائے پینے کے دوران مجھے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا۔"

"یہی کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ وقت پڑ گیا ہے تو وہ اس طرح پھر رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

امی ہنس پڑیں۔ "نہیں بھئی، مگر وہ اکاؤنٹنٹ ہے۔ اس کی گفتگو سے بھی لگ رہا تھا کہ وہ پڑھا لکھا آدمی ہے۔"

"مگر امی، کسی اجنبی کے بارے میں اس طرح یقین کر لینا بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔" کاشف نے کہا۔

"بس مجھے بے چارے غریب پر ترس آیا۔ خیر چلو اب خاموش لیٹ جاؤ اور کمبل اوڑھ لو۔ اللہ کرے صبح تک تمہاری طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے۔"

"اچھا امی۔"

کاشف نے کمبل ٹانگوں پر پھیلا لیا اور کتاب اُٹھا کر پڑھنے لگا۔ اس کی امی جب باورچی خانے میں چلی گئیں تو وہ آہستہ سے بستر سے اُٹھا اور الماری میں سے دُوربین نکال لی۔ یہ دُوربین اس کے دوست سہیل کی تھی اور آج اس کو استعمال کرنے کا بہترین موقع تھا۔ دُوربین بہت طاقت ور تھی۔ جب کاشف اس کو اچھی طرح سے فوکس کر چکا تو اسے تقریباً آدھے میل کا منظر صاف نظر آنے لگا۔ سامنے میدان میں گھاس، پھول، پودے سب بہت قریب اور صاف نظر آ رہے تھے۔ اچانک خاصی دُور اسے ایک آدمی نظر آیا۔ وہ نیلے رنگ کا کوٹ پہنے تھا۔ یہ کوئی مُصوّر تھا جو تصویر بنا رہا تھا۔ اس کے سامنے اسٹینڈ پر کینوس لگا تھا۔ مگر یہ شخص کس چیز کی تصویر بنا رہا تھا؟ کاشف کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے سامنے تو صرف گھر تھے، جن میں ایک گھر کاشف کا بھی تھا۔ کیا یہ شخص گھر کی تصویر بنا رہا ہے؟ ہو سکتا ہے یہ کوئی نیا مصوّر ہو اور منظر کشی کی مشق کر رہا ہو۔

اسی وقت امی کمرے میں آئیں۔ "ہیں! یہ تم بستر سے نکل کر کیا کر رہے ہو؟ اگر ٹھنڈ لگ گئی تو نمونیا ہو جائے گا اور یہ تم نے سوئٹر بھی اُتار دیا ہے۔ کاشف تم کرتے کیا ہو؟ چلو بستر میں لیٹو فوراً!" امی نے ڈانٹ لگائی۔ امی اس قدر آہستگی سے کمرے میں آئی تھیں کہ کاشف کو ان کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔

"میں بس ابھی بستر سے نکلا تھا۔ ویسے بھی کمرا خاصا گرم ہے۔ میں اس دُوربین سے دیکھ رہا تھا جو میں سہیل سے لایا تھا۔"

"اچھا چلو فوراً بستر میں۔" امی نے مصنوعی غصّے سے کہا۔

کاشف فوراً ہی کُود کر بستر میں لیٹ گیا اور کمبل اوڑھ لیا۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

”اب تم اس وقت تک لیٹے رہو گے جب تک میں نہ کہوں۔“ امّی نے کہا۔

”امّی! یہ دیکھیں!“ کاشف نے دُوربین امّی کو دی۔ ”کیسے زبردست شیشے ہیں! وہ دُور ایک مصوّر کھڑا تصویر بنا رہا ہے۔ کتنا صاف نظر آ رہا ہے۔“ مسز حق نے کاشف کے ہاتھ سے دُوربین لے لی اور دیکھنے لگیں۔

”دیکھا امّی؟ مصوّر نظر آیا؟“

”ارے!“ مسز حق نے حیران ہو کر کہا۔

”کیا ہوا امّی؟“ کاشف نے پوچھا۔

”یہ جو مصوّر سامنے نظر آ رہا ہے، یہی تو وہ آدمی ہے جو آج صبح کام کی تلاش میں آیا تھا اور جسے میں نے چائے پلائی تھی۔“ مسز حق نے کہا۔

”کیا واقعی؟“ کاشف بولا۔

”ہاں بالکل، یہ وہی آدمی ہے!“

کاشف تیزی سے بستر سے نکلا اور امّی سے دُوربین لے کر دوبارہ دیکھنے لگا۔

”میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ اگر یہ واقعی کوئی مصوّر ہے تو اس نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا؟ ہو سکتا ہے وہ اکاؤنٹنٹ ہونے کے ساتھ ساتھ مصوّری سے بھی دل چسپی رکھتا ہو۔“

کاشف نے کوئی جواب نہیں دیا اور امّی بھی اسے سوئٹر پہننے کی ہدایت کرتے ہوئے کمرے سے چلی گئیں۔ کاشف سوچ رہا تھا کہ ایک غریب آدمی جو صبح سے بھوکا پھر رہا ہو اور کام ڈھونڈتا پھر رہا ہو، دوپہر کو اس قدر اطمینان سے اسٹینڈ کے سامنے کھڑا تصویر کشی کس طرح کر سکتا ہے؟ کاشف دُوربین لیے دیر تک اس آدمی کو دیکھتا رہا۔ اس نے یہ بات بھی نوٹ کی کہ یہ شخص تصویر کشی میں زیادہ دِل چسپی نہیں لے رہا۔ اس کے ہاتھ بالکل بھی حرکت نہیں کر رہے اور نہ اس کا سَر ہِل رہا ہے۔ اِتنی دیر میں صرف

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

ایک دفعہ ایسا لگا کہ وہ کچھ پینٹ کر رہا ہے۔ ایک چھوٹا سا لڑکا اس کے قریب آیا اور اس شخص نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے دُور جانے کو کہا۔

دوپہر کو جب امّی کھانا لے کر آئیں تو کاشف ایک میگزین سے تصویریں کاٹنے میں مصروف تھا۔

"کیا وہ اب بھی وہیں موجود ہے؟" انھوں نے آتے ہی مصوّر کے بارے میں پوچھا۔

"میں نے گھنٹہ بھر سے تو دیکھا نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہوگا۔" کاشف نے کہا۔

امّی نے دُوربین سے دیکھتے ہوئے کہا، "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں تو سوچ رہی ہوں کہ جا کر اسے شرمندہ کردوں، مجھے جھوٹ بولنے والوں سے سخت نفرت ہے۔"

"نہیں، ایسا مت کیجیے گا ورنہ سارا معاملہ بگڑ جائے گا!"

"کیسا معاملہ؟"

"کچھ نہیں، میں تو یُونہی کہہ رہا تھا۔" کاشف جلدی سے بولا۔

"خیر، تم آرام کرو۔ میں تھوڑی دیر کے لیے مارکیٹ جا رہی ہوں۔"

"امّی! آپ پچھلے دروازے سے جائیے گا۔"

"کیوں؟"

"بس! میں چاہتا ہوں آپ سامنے کے دروازے سے نہ جائیں۔"

"مگر کیوں؟"

"اس آدمی کی وجہ سے۔" کاشف نے مصوّر کی طرف اشارہ کیا، "میں نہیں چاہتا کہ اسے خبر ہو کہ آپ گھر میں نہیں ہیں۔"

"یا اللہ! کاشف! کیا تم اس سے ڈر رہے ہو؟"

"ہاں امّی! مجھے وہ آدمی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر میں مارکیٹ نہیں جاتی۔ کچھ چیزیں لانی تھیں وہ

شام کو تمھارے ابو لے آئیں گے۔"

"نہیں، نہیں۔ آپ ضرور جائیں۔ بس جو میں کہتا ہوں وہ کریں۔ پچھلے دروازے سے چلی جائیں اور یہ خیال رکھیں کہ آپ کو کوئی جاتے ہوئے نہ دیکھ لے۔ مگر آپ جائیں ضرور۔" کاشف نے کہا۔

"احمق لڑکے۔" امّی نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ کاشف کبھی کبھار بالکل چھوٹے بچوں جیسی حرکتیں کرتا تھا۔

مسز حق جیسے ہی گھر سے نکلیں کاشف نے دُوربین اُٹھائی اور بستر سے کود کر کھڑکی کی طرف بھاگا اور جیسا کہ وہ سمجھ رہا تھا، مصوّر آرام سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حق صاحب کے گھر پر لگی ہوئی تھیں۔ کاشف کی خواہش کے مطابق مسز حق پچھلے دروازے سے نکلی تھیں۔ گھر میں اب بالکل خاموشی تھی۔ کاشف اپنے کمرے سے نکل کر بڑے کمرے میں گیا جہاں آئینہ لگا تھا۔ اس نے بڑی احتیاط سے آئینہ اُتارا۔ فرش پر بچھے ہوئے قالین پر ایک اخبار رکھا۔ پھر آئینہ اُلٹا کر کے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پھر وہ جلدی سے اٹھا، پچھلا دروازہ لاک کیا، کمرے کی کھڑکیوں کے پردے گرائے اور پھر کچھ دیر آئینے پر جُھکا کچھ کرتا رہا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے آئینہ اسی طرح پھر دیوار میں لگا دیا۔ کھڑکیوں کے پردے سَرکا دیے۔ اس کا دل اب تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اب وہ جلدی سے لاؤنج میں آیا اور لاؤنج کی کھڑکی سے اس نے جھانک کر دیکھا تو وہ شخص اب بھی وہاں کھڑا تھا۔ اسی وقت اس نے سہیل کی آواز سُنی جو پچھلے دروازے پر کھڑا چیخ رہا تھا: "کاشف بھئی دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے؟"

"معاف کرنا! مجھے نہیں پتا تھا کہ دروازہ بند ہے۔ ٹھیرو میں ابھی کھولتا ہوں۔" کاشف نے وہیں سے چیخ کر جواب دیا اور پھر آ کر پچھلا

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

دروازہ کھول دیا۔ "کاشف! تم نے دروازے کو لاک کیوں کر دیا تھا؟" سہیل نے اندر آتے ہی سوال کیا۔ یہ کچھ عجیب سی بات تھی کیوں کہ پچھلا دروازہ کبھی اس طرح بند نہیں ہوتا تھا۔

"یہ اچھا سوال ہے۔ ذرا سوچ کر بتاؤ، میں نے دروازہ کیوں لاک کیا تھا۔" کاشف نے جواب دیا۔

"اس لیے کہ تم یہاں ٹہل رہے ہو، جب کہ تمھاری امی نے تمھیں بستر میں لیٹنے کو کہا ہو گا۔ تمھاری امی مجھے مارکیٹ میں ملی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ تمھیں زکام ہے اور گھر پر آرام کر رہے ہو۔"

"مگر دروازہ بند کرنے کے لیے تو مجھے بستر سے نکلنا ہی پڑتا!" کاشف نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا میں بتاتا ہوں کہ تم نے درواز کیوں بند کیا؟"

"اچھا، تو بتاؤ۔" کاشف نے کہا۔

"لاؤ، مجھے اپنے ہاتھ دکھاؤ۔" سہیل نے کہا۔ اس نے غور سے کاشف کے ہاتھ دیکھے پھر انھیں سونگھا۔ "ہونہہ، ابھی ابھی دھوئے گئے ہیں۔ صابن کی خوشبو آ رہی ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔" "پھر؟" کاشف نے کہا۔

"ہاں۔ پھر تم نے کوئی ایسا تجربہ کیا ہے، جو تم نہیں چاہتے کہ تمھاری امی کو پتا چلے۔ کچھ ٹاپ کیا ہے یا جام چرا کر کھایا ہے یا پھر تھوڑی سی آئس کریم چرائی ہے۔"

"سب غلط۔ خیر آؤ۔ اب ذرا اس دوربین سے دیکھو۔" کاشف نے دوربین سہیل کو دیتے ہوئے کہا۔

سہیل دوربین سے دیکھنے لگا۔

"کیا نظر آ رہا ہے؟" کاشف نے پوچھا۔

"ایک لڑکی بچہ گاڑی لیے جا رہی ہے۔ ایک اور لڑکی سائیکل پر

بیٹھی ہے اور ایک صاحب کوئی تصویر بنا رہے ہیں۔"

کاشف نے سہیل کے ہاتھ سے دوربین لے لی اور اسے لے کر بڑے کمرے میں آ گیا جہاں آئینہ لگا تھا۔

"واہ کس قدر خوب صورت آئینہ ہے!" سہیل بولا۔

"اب شاید تمھاری سمجھ میں آ جائے کہ میں نے دروازے میں تالا کیوں لگا دیا تھا۔"

"کاشف! کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں تمھارے ایک زوردار مُکا رسید کر دوں اور اس وقت میرا یہی جی چاہ رہا ہے۔ بہرحال مجھے اس سے کوئی دل چسپی نہیں کہ تم دروازہ بند کر کے کیا شرارت کر رہے تھے۔" سہیل نے ہنستے ہوئے کہا۔ دونوں ہنسنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد کاشف نے پوچھا:

"تم نے چوری ہوتے دیکھی ہے؟"

"نہیں تو، مگر یہ تم آج کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟"

"اچھا یہ بتاؤ اگر تم کبھی ایسی واردات ہوتے دیکھو تو کیا کرو گے؟"

"میں؟ میں تو خاموش بیٹھا دیکھتا رہوں گا۔" سہیل ہنس کر بولا۔

"اچھا تو پھر تیار ہو جاؤ۔ ایک چوری کی واردات ہونے والی ہے۔"

"کہاں؟ دیکھو کاشف مجھے صاف صاف بتاؤ چوری کہاں ہونے والی ہے؟ بات کیا ہے؟"

"آج رات، ہمارے گھر میں۔"

"تمھارے گھر میں؟" سہیل اچھل پڑا، "مذاق مت کرو۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تم کہہ کیا رہے ہو؟"

"بظاہر تو یہ مذاق ہی لگ رہا ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ آج رات ہمارے گھر ایک چور آنے والا ہے۔ تم آج رات میرے ساتھ رہو۔"

"مگر میں اپنی امی کو کیا بتاؤں؟ یہ کہ تمھارے ہاں چوری ہونے والی ہے؟"

"نہیں بھئی، یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ کہہ دینا کہ کاشف کی سالگرہ ہے۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

سب دوست جمع ہوں گے۔ ہو سکتا ہے رات کو دیر ہو جائے اس لیے تم یہیں سو جاؤ گے۔ اور ہاں، تم اپنی شاٹ گن ضرور لیتے آنا۔"

"شاٹ گن! کیوں؟"

"تمھیں اُس کی ضرورت ہوگی۔"

"مجھے؟ کیوں؟ کیا میں چور پر گولی چلاؤں گا؟"

"ہاں، اگر ضروری ہوا تو!"

سہیل چُپ ہوگیا۔ پھر بولا:

"میرا تو اکثر جی چاہتا ہے کہ کسی چور اُچکے سے مقابلہ ہو۔ میں تیار ہوں۔"

"شکریہ سہیل! تم نو بجے تک یہاں پہنچ جانا۔"

"کیوں؟ کیا چور صاحب نو بجے آئیں گے؟"

"نہیں، مگر تمھیں تو اس سے پہلے ہی آنا ہے۔"

کاشف نے امی کو بتا دیا کہ سہیل آج رات ان کے گھر رہے گا۔ سہیل اپنی امّی سے اجازت لے کر نو بجے سے پہلے ہی کاشف کے گھر پہنچ گیا۔ دونوں دوست کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، مگر کاشف بار بار دروازے کی طرف دیکھتا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ سہیل کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر وہ بھی انتظار میں تھا کہ کیا ہوتا ہے۔

کاشف کے امّی اور ابّو لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ابّو اخبار پڑھ رہے تھے اور امّی سوئٹر بُن رہی تھیں۔

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔ کاشف کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کاشف کی امّی نے اُون سلائیاں میز پر رکھ دیں اور اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ دروازے میں مسٹر تھامس کھڑے تھے، وہی پُرانے سامان کی دکان کے مالک۔ اُن کے ہاتھ میں ایک بڑا سا آئینہ تھا۔

"میں آپ کے لیے اسی قسم کا، بلکہ اس سے بہتر آئینہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ یہ لیجیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے آئینہ مسز حق

کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ! مگر آپ نے یہ تکلیف کیوں کی؟ مجھے تو اس آئینے میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔" مسز حق نے کچھ ناگواری سے کہا۔

"محترمہ! آپ اس آئینے کو ایک نظر دیکھ لیں۔ میں اتنی دُور سے صرف آپ کے لیے یہ آئینہ لایا ہوں۔" مسٹر تھامس نے بڑی لجاجت سے کہا۔

مسز حق ایک نرم دل عورت تھیں۔ مسٹر تھامس کے اس انداز سے فوراً متاثر ہو گئیں اور انھیں اندر بُلا لیا۔ کاشف بھی اب سہیل کو لے کر لاؤنج میں آ گیا تھا۔ مسٹر تھامس نے اندر آ کر وہ آئینہ میز پر رکھ دیا اور بڑے ادب کے ساتھ کہنے لگے:

"دیکھیے جناب! یہ کوئی عام آئینے نہیں ہیں۔ یہ ایک خاص زمانے کے ہیں اور بڑی مشکل سے ملے ہیں۔ لیکن یہ ہیں بالکل ایک جیسے۔ میں نے اپنے پرانے گاہک کو یہ آئینہ دینے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ ضدی قسم کا آدمی ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے تو وہی آئینہ چاہیے جو میں نے پہلے خریدا تھا، وہ آئینہ جو اب آپ کے پاس ہے۔ اب آپ مہربانی کر کے یہ آئینہ لے لیں اور وہ آئینہ مجھے دے دیں تاکہ میں اس مشکل سے نکل جاؤں۔"

مسٹر تھامس کے لہجے میں بڑی نرمی اور التجا تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کی زندگی کا دارو مدار اسی پر ہے کہ وہ آئینہ انھیں واپس مل جاتے۔ حق صاحب کو بھی مسٹر تھامس پر ترس آ گیا اور وہ کہنے لگے:

"اگر میری بیوی اس آئینے کی جگہ یہ آئینہ لینے کو تیار ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

مسٹر تھامس نے مسز حق کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بولیں، "مجھے تو وہی آئینہ پسند آیا تھا لیکن خیر آپ وہ لے جائیے۔ میں یہ دوسرا آئینہ لیے لیتی ہوں۔"

مسٹر تھامس کا چہرہ ایک دم خوشی سے کِھل اُٹھا۔ وہ جلدی سے بولے:

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ یہ لیجیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے آئینہ حق صاحب کی طرف بڑھایا۔ "وہ دوسرا آئینہ کہاں ہے؟"

حق صاحب کمرے میں گئے اور آئینہ لا کر مسٹر تھامس کو دے دیا۔ آئینہ ہاتھ میں لیتے ہی ایسا لگا کہ جیسے مسٹر تھامس خوشی سے بے ہوش ہو جائیں گے۔

کاشف خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ مسٹر تھامس نے باہر جاتے جاتے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور بولے:

"آپ نے مجھے بڑی شرمندگی سے بچا لیا۔"

حق صاحب نے نئے آئینے کو پرانے آئینے کی جگہ لگا دیا۔ "کتنا اچھا آدمی ہے!" وہ بولے۔

"جتنا آپ سمجھ رہے ہیں اس کا آدھا بھی نہیں۔" کاشف نے دل میں کہا۔

تین گھنٹے بعد سہیل کاشف کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں کوفی پی رہے تھے اور کیرم کھیل رہے تھے۔ سہیل کی شاٹ گن پاس رکھی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کاشف نے گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا:

"میرا خیال ہے کہ اب بتّی بجھا دینی چاہیے۔"

" اُدھر مسٹر تھامس بڑی حفاظت سے آئینہ اپنے ہاتھوں میں تھامے اپنے گھر پہنچے۔ ان کی دکان کے اوپر ہی ان کا فلیٹ تھا۔ دن میں زینے کا دروازہ بند ہو جاتا تھا اور رات کو گھر اور دکان ایک ہو جاتی تھی۔ دکان پرانے سامان سے بھری تھی۔ کرسیاں، میزیں، تصاویر، الماریاں، قالین اور نہ جانے کیا کیا تھا۔

"وہ تمھیں مل گیا؟" مسٹر تھامس کے اندر آتے ہی ان کی بیوی نے پوچھا۔

"ہاں، بڑی مشکل سے ملا ہے۔"

مسٹر تھامس نے آئینہ میز پر رکھا اور اسے الٹ کر اس کے فریم کو کھولنے لگے۔ ہارڈ بورڈ ہٹایا تو اس میں سے ایک بندر کی تصویر نکلی۔ یہ رسالے سے کاٹی ہوئی تصویر تھی۔ اس پر مارکر سے بڑا بڑا لکھا تھا: "مہربان دوست

کے لیے۔"

مسٹر تھامس تصویر کو دیکھتے ہی حیرت اور غصّے سے دَم بخود ہو گئے۔

"یہ کیا ہوا؟" ان کے منھ سے نکلا اور پھر وہ پریشانی اور جھنجلاہٹ کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگے۔

رات خاصی گزر چکی تھی۔ دُور کہیں گھنٹے نے دو بجائے۔ سہیل کو نیند آ گئی تھی اور وہ غافل سو رہا تھا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس کی آنکھ کیسے کھل گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ یقیناً بڑے کمرے میں کوئی تھا۔ پھر ایک دَم سے اسے خیال آیا کہ شاید چور آ گیا! پہلے تو وہ ڈرا۔ پھر ہمّت کر کے آہستہ سے بستر سے اُٹھا۔ کھڑکی کے پاس جا کر پردے کی آڑ سے اس نے جھانکا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ اسی لمحے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ "شش! میں ہوں کاشف۔"

"کاشف تم آ گئے! میں تو ڈر گیا تھا۔ کیا چور آ گیا؟"

"ہاں، تمھاری شاٹ گن کہاں ہے؟" کاشف نے سرگوشی کی۔

"یہ رہی۔" سہیل نے شاٹ گن اٹھائی۔

اچانک ایک سایہ سا سامنے نظر آیا جو بڑے کمرے سے نکل کر گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"گولی چلا دو۔" کاشف نے آہستہ سے کہا اور سہیل نے ٹریگر دبا دیا۔

"کلِک، یہ کیا؟؟" شاٹ گن میں گولی نہیں تھی۔

"اوہ! میں اسے لوڈ کرنا بھول گیا۔" سہیل نے شرمندگی سے کہا۔

کاشف اور سہیل دروازے کی طرف دوڑے، مگر وہ سایہ اب باغ میں سے ہوتا ہوا غائب ہو گیا۔

"مجھے بہت افسوس ہے کاشف!" سہیل نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔"

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"اب کیا کرنا چاہیے۔" سہیل نے پوچھا، "چور نہ جانے کیا لے گیا ہو۔"

"میں جانتا ہوں وہ کیا لے گیا ہے۔ آؤ دیکھیں چور کہیں یہیں تو نہیں چھپ گیا ہے۔"

"تم جانتے تھے؟" سہیل نے حیرت سے کہا، "میں تو سمجھا تھا کہ تمھارا یونہی ایک خیال ہے کہ تمھارے ہاں چوری ہونے والی ہے۔"

"میرے ساتھ آؤ" کاشف نے کہا اور وہ خاموشی سے چلتے ہوئے بڑے کمرے میں آ گئے جہاں آئینہ لٹکا ہوا تھا۔ کمرے کی کھڑکی کھلی تھی اور آئینہ فرش پر کھلا پڑا تھا۔ فریم الگ تھا، شیشہ الگ اور ہارڈ بورڈ الگ۔ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی چیز گڑ بڑ نہیں ہوئی تھی۔ کاشف نے رومال سے پکڑ کر کھڑکی بند کر دی۔

"یہ آئینے کو کیا ہوا؟" سہیل نے پوچھا۔ کاشف نے ابھی تک کوئی بھی چیز اپنے ہاتھ سے نہیں چھوئی تھی۔ اس نے آئینے کو پھر فریم میں لگا دیا اور اسے اس جگہ پر واپس لٹکا دیا جہاں یہ تھا۔

"اب کیا کریں؟" سہیل نے پوچھا۔

"چلو چل کر سو جائیں۔ ساڑھے تین تو بج رہے ہیں۔ اس وقت سب اچھے بچوں کو بستر میں ہونا چاہیے۔" کاشف نے جواب دیا۔

"مگر کاشف ـــ کیا اس شخص نے کچھ بھی نہیں چرایا؟"

"نہیں، کچھ بھی نہیں۔"

"میرا خیال ہے ہمیں دوسرے کمرے بھی دیکھ لینے چاہییں۔"

"نہیں، کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سہیل! سب ٹھیک ہے۔"

سہیل کو اب غصہ آ گیا۔ "تم اپنے ابّو کو کیوں نہیں بتاتے کہ چور آیا تھا۔ وہ پولیس کو فون کر دیں گے۔"

"ابّو کو پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔ انھیں سونے دو۔ رہ گیا چور تو وہ کل پھر آئے گا۔ کل یا پرسوں کسی بھی رات!"

"دیکھو کاشف! تم مجھے ساری بات صاف صاف بتاؤ ورنہ میں ابھی 'چور چور' کہہ کر شور مچا دوں گا۔"

"ایسا نہ کرنا ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔" کاشف نے کہا۔

"اچھا تو پھر مجھے بتاؤ قصہ کیا ہے؟"

"سب خود بخود ہی ظاہر ہو جائے گا۔"

اسی وقت کاشف کی امّی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کیا بات ہے بھئی؟ تم دونوں ابھی تک جاگ رہے ہو، پتا ہے کیا بجا ہے؟" وہ بولیں۔

"امّی! ابھی یہاں کچھ کھٹکا سا ہوا تھا۔" کاشف نے کہا۔

"کیسا کھٹکا؟ میں تو تمھاری کھسر پھسر سن کر اِدھر آئی۔ تم شاید جاسوسی ناولیں زیادہ پڑھنے لگے ہو۔ جاؤ اب جا کر سو جاؤ۔"

اگلے دن چھٹی تھی۔ سہیل اور کاشف نے ایک ساتھ ناشتا کیا۔ ابھی وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک کار ان کے گھر کے سامنے آ کر رُکی۔ یہ پولیس انسپکٹر شرافت حسین تھے، حق صاحب کے بچپن کے دوست۔ کاشف نے جلدی سے دروازہ کھولا اور وہ اندر آ گئے۔

"اور بھئی بچو! کیا حال ہے؟ تم لوگوں کے مزے ہیں۔ خوب عیش ہو رہے ہیں۔ ویسے یہ عمر ہے ہی بے فکری کی۔ کاش میں بھی تمھاری عمر کا ہوتا۔" پھر وہ امّی کی طرف مُڑے جو اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"ہاں بھابی یہ تو بتائیے کہ آپ نے تھامس کی دکان سے ابھی حال ہی میں کوئی چیز خریدی ہے؟"

کاشف یہ سُنتے ہی اُچھل پڑا۔

"ہاں، میں نے ایک آئینہ خریدا تھا۔ مگر کیا ہوا؟ کیا پھر کوئی خریدار اس کا پیدا ہو گیا؟"

"کیا اس آئینے کا فریم سُنہرا ہے؟" انسپکٹر شرافت نے پُوچھا۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"ہاں۔"

"کہاں ہے وہ آئینہ! کیا میں اسے دیکھ لوں؟"

"ہاں، کیوں نہیں وہ اس بڑے کمرے میں دیوار پر لٹکا ہے۔ آئیے۔"

آئینہ دیکھتے ہی انسپکٹر شرافت کی آنکھیں پھیل گئیں۔ انھوں نے آگے بڑھ کر آئینہ دیوار پر سے اُتار لیا۔ وہ اسے غور سے دیکھتے رہے پھر اسے پلٹ کر اس کا فریم کھول دیا۔

کاشف بھی اس کارروائی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچھی طرح دیکھنے کے بعد انسپکٹر شرافت کچھ سوچتے ہوئے بولے، "کیا یہ وہی آئینہ ہے جو آپ نے خریدا تھا؟"

"نہیں، یہ پہلا والا نہیں ہے۔" کاشف کی امّی نے کہا۔

"پہلا والا نہیں ہے؟ کیا مطلب؟ کیا یہ وہ آئینہ نہیں جو آپ نے تھامس سے خریدا تھا؟" انسپکٹر شرافت نے تعجّب سے پوچھا۔

کاشف کی امّی نے انسپکٹر شرافت کو پورا قصّہ سنایا کہ کس طرح انھوں نے پرانے سامان کی دکان سے یہ آئینہ خریدا اور پھر کس طرح اس کا مالک اسے واپس لینے آیا اور اس کی جگہ یہ آئینہ دے گیا۔ انسپکٹر شرافت خاموشی سے سنتے رہے اور پھر ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"بھابی یہ معاملہ خاصا گڑبڑ ہے۔ آپ کو میں بعد میں بتاؤں گا، ابھی میں اس کی تفتیش کر لوں۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" انسپکٹر شرافت کے جانے کے بعد کاشف کی امّی نے کہا۔

"مگر میری سمجھ میں سب آرہا ہے۔" کاشف نے کہا اور پھر وہ سہیل کو ساتھ لے کر باہر چلا گیا۔

شام کی چائے کے وقت انسپکٹر شرافت پھر آئے۔ "لو بھئی، شرافت چچا آگئے۔" گاڑی کی آواز سن کر کاشف نے کہا۔

انسپکٹر شرافت اندر آئے تو بڑے موڈ میں تھے۔ آتے ہی کاشف سے بولے:

"تم کبھی خفیہ پولیس میں مت جانا۔ یہ میری نصیحت ہے۔"

"مگر آپ تو بڑے شوق سے خفیہ پولیس میں کام کر رہے ہیں۔" کاشف نے کہا۔

"ہاں مجھے یہ محکمہ پسند تھا، مگر اب نہیں۔" پھر اچانک سنجیدہ ہو گئے اور کہنے لگے: "یہ شخص تھامس، جس سے آپ نے آئینہ خریدا، ایک ..."

"چوری کی چیزیں خریدتا ہے۔" کاشف انسپکٹر شرافت کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔

"بہت خوب! بالکل ٹھیک سمجھے، تمھیں تو شرلاک ہومز ہونا چاہیے۔" انسپکٹر شرافت نے کہا۔

"آپ کا مطلب ہے، یہ آئینہ چوری کا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں کبھی بھی اسے نہ خریدتی۔" کاشف کی امّی بولیں۔

"نہیں، تھامس معمولی چیزیں نہیں خریدتا۔ وہ قیمتی سامان خریدتا ہے اور اسے اچھے مال کی بڑی پہچان ہے۔ وہ لاکھوں رُپے کا کاروبار کرتا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دن اسے نواب حسن عابد نے اپنے گھر بُلایا۔ ان کے پاس بڑی قیمتی تصویریں ہیں۔ ان میں کچھ مشہور مصوّروں کی بنائی ہوئی تصویریں ہیں۔ یقیناً آپ نے ان کے بارے میں سُنا ہوگا۔"

"ہاں ان کی تو بڑی شہرت ہے۔" حق صاحب بولے۔

ان تصویروں میں "غروبِ آفتاب" ایک نادر تصویر ہے۔ یہ چھوٹے سائز کی پینٹنگ ہے اور اسے آسانی سے آئینے میں چھپایا جا سکتا ہے۔"

"اچھا، اب میں سمجھی۔" کاشف کی امّی بولیں۔

"ایک دن اچانک یہ تصویر غائب ہو گئی...."

"تو آپ نے سوچا کہ یہ میرے آئینے میں ہے۔ مگر یہ میرے آئینے میں تو نہیں ہے۔" کاشف کی امّی بیچ میں بول اُٹھیں۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"نہیں، ہوا یہ کہ تھامس نے اپنے خاص ملازم آرنلڈ کے ذریعہ سے یہ تصویر نواب صاحب کے ہاں سے اُڑوا لی اور پھر اسے ایک سنہرے فریم والے آئینے میں چھپا دیا۔ تھامس کی بیوی کو اس کا پتا نہ تھا۔ اس نے اس کی غیر موجودگی میں غلطی سے یہ آئینہ آپ کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہ اپنی بیوی کو یہ بات بتانا بھول گیا تھا۔ اس اثنا میں نواب حسن عابد نے اس قیمتی تصویر کی چوری کی رپورٹ پولیس میں کر دی اور جب یہ خبر اخباروں میں چھپی تو آرنلڈ کو اس تصویر کی صحیح قیمت کا عِلم ہوا۔ تھامس نے آرنلڈ کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ تصویر اتنی قیمتی ہے۔"

"اُف اللہ!" بیگم حق نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"تھامس اور آرنلڈ کی نگرانی شروع کر دی گئی کیوں کہ نواب عابد کو بھی ان پر شُبہ تھا۔ کل رات آرنلڈ آپ کے گھر میں داخل ہوا، اس نے آئینہ اتارا اور اس کا فریم الگ کر دیا، لیکن تصویر اس میں نہیں تھی۔"

"ارے!" کاشف کی امّی اور ابّو ایک ساتھ بول اُٹھے، "ہمیں تو کچھ خبر نہ ہوئی۔"

"آپ کو صبح اُٹھ کر بھی پتا نہ چلا کہ آئینے کا فریم نکلا پڑا ہے؟"

"نہیں، آئینہ تو اپنی جگہ بالکل اسی طرح موجود تھا!" حق صاحب نے کہا۔

"شاید اس نے اس خیال سے آئینہ دوبارہ اپنی جگہ لگا دیا ہو کہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ خیر ہم نے آج صبح تھامس اور آرنلڈ دونوں کو گرفتار کر لیا۔ وہ دونوں لاک اَپ میں ہیں، مگر وہ قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے آئینے میں سے تصویر نہیں نکالی۔ کسی اور شخص نے جو ان دونوں سے بھی زیادہ ہوشیار ہے یہ تصویر نکال لی اور اس کی جگہ ایک بندر کی تصویر رکھ دی۔ تھامس کہتا ہے کہ یہ تصویر آرنلڈ نے آئینے میں چھپائی تھی۔ آرنلڈ کہتا ہے کہ اس نے تصویر لا کر تھامس کو دے دی تھی، اس کے بعد اس نے اس تصویر کو نہیں دیکھا۔ اللہ جانے تصویر کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔"

کاشف جو یہ باتیں سن رہا تھا چُپکے سے اٹھا اور الماری میں سے ایک تصویر

نکال لایا اور انسپکٹر کے پاس آ کر بولا:

"شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔ دیکھیے چچا شرافت، یہ تو وہ تصویر نہیں ہے۔"

شرافت حسین تصویر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کاشف کے ابّو اور امّی بھی اس کا منھ تکنے لگے۔

"یہ تمھیں کہاں سے ملی؟" انسپکٹر شرافت حسین نے پوچھا۔

"آئینے میں سے، اس آئینے میں سے جو امّی خرید کر لائی تھیں۔ یہی وہ قیمتی تصویر ہے جس کی آپ کو تلاش تھی؟"

"ہاں، مگر تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ آئینے میں تصویر چھپی ہے؟"

"آپ ہی تو کہتے ہیں کہ میں بڑا ہوشیار لڑکا ہوں۔" کاشف نے معصومیت سے کہا۔

کچھ دیر تو وہ کاشف کو دیکھتے رہے پھر بہت زور سے ہنس پڑے، "واہ بھئی! تم نے خوب تھامس اور آرنلڈ کو بے وقوف بنایا۔ یہ بندر کی تصویر بھی تمھی نے آئینے میں رکھی تھی؟"

کاشف نے بتایا کہ اسی نے یہ تصویر ایک رسالے میں سے کاٹی تھی۔ پھر اس نے وہ رسالہ بھی لا کر دکھایا جس میں سے یہ تصویر اس نے کاٹی تھی۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر شرافت اور بھی زور زور سے ہنسنے لگے۔

"میں بتائے دیتا ہوں احسان، تمھارا یہ لڑکا بڑا تیز ہے۔ یہ بڑی ترقی کرے گا۔" پھر وہ سنجیدگی سے کہنے لگے، "نواب صاحب نے اس تصویر کی واپسی پر پانچ ہزار رُپے کا انعام رکھا ہے، یہ انعام تمھارا ہے۔ مُبارک ہو۔" انسپکٹر شرافت پھر کاشف سے بولے۔ "اچھا اب مجھے بتاؤ ساری کہانی۔ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ تصویر آئینے میں موجود ہے؟"

"مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ اس آئینے میں کیا ہے۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ مسٹر تھامس اس آئینے کو واپس لینے کے بہت زیادہ خواہش مند ہیں۔ انھوں نے آرنلڈ کو بھی یہ پتا لگانے کے لیے کہ آئینہ

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

لگا کہاں ہے، ہمارے گھر بھیجا اور وہ گھر کا جائزہ لیتا رہا تو میں سمجھ گیا کہ آئینے میں کوئی خاص بات ہے۔ چناں چہ میں نے امّی سے چھُپ کر آئینے کا فریم نکال کر دیکھا تو کینوس پر بنی ہوئی یہ پینٹنگ مجھے نظر آئی۔ میں نے وہ نکال لی اور اس کی جگہ ایک بندر کی تصویر رکھ دی۔ مجھے معلوم تھا کہ تھامس پھر یہ آئینہ لینے آئے گا اور میری امّی چوں کہ بڑی نرم دل ہیں اس کی بات مان لیں گی اور آئینہ اسے دے دیں گی۔ مگر چچا وہ مصوّر کون تھا جو سارا دن سامنے باغیچے کے لان پر کھڑا جھوٹ مُوٹ تصویر بنا رہا تھا؟“

”بہت آسان سی بات ہے۔ تم نے جس پینٹر یا آرٹسٹ کو دیکھا۔ وہ خفیہ پولیس کا آدمی تھا۔ جو تمھارے گھر کی نگرانی کر رہا تھا۔“

انجینیر کا انگوٹھا

یہ واقعہ ۱۸۸۹ء کی گرمیوں کا ہے، میری شادی کے کچھ ہی دن بعد کا۔ میں نے اپنا مطب دوبارہ شروع کر دیا تھا اور ہومز کے ساتھ بیکر اسٹریٹ کی رہائش ترک کر دی تھی۔ مطب ریلوے اسٹیشن کے قریب تھا اور میں زیادہ تر ریلوے ملازمین کا علاج کیا کرتا تھا۔ ایک شخص جو ریلوے گارڈ تھا، اپنی ایک تکلیف دہ بیماری سے صحت پانے کے بعد میرا بہت زیادہ شکر گزار تھا اور میرے پاس ہمیشہ نئے نئے مریض بھیجتا رہتا تھا۔

ایک صبح ملازمہ کے دروازہ کھٹکھٹانے پر میں جاگا تو اس نے بتایا کہ مطب میں دو آدمی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں تیزی کے ساتھ لباس تبدیل کرکے زینے سے نیچے اُترا تو دیکھا کہ ریلوے گارڈ جانے ہی والا ہے۔

”میں نے اُسے لاکر اندر بٹھا دیا ہے۔“ اُس نے چپکے سے کہا۔ ”وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔“

”تو پھر بات کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ اُس نے جس طرح بات کی تھی اس سے تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی عجیب مخلوق اس نے میرے کمرے میں بند کردی ہو۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"یہ ایک نیا مریض ہے۔" اُس نے خاموشی سے جواب دیا۔ "میں نے سوچا میں خود اس کو لے کر آپ کے پاس آؤں تاکہ وہ کہیں اور نہ چلا جائے۔ دیکھیے وہ بیٹھا ہے صحیح سالم۔ اچھا ڈاکٹر صاحب اب میں چلتا ہوں، مجھے بھی آپ کی طرح کام کرنا ہے۔" اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

میں مطب میں داخل ہوا تو دیکھا ایک صاحب میز کے پیچھے بیٹھے ہیں۔ سادہ سے کپڑے پہنے۔ ان کی نرم و ملائم کپڑے کی ٹوپی میز پر پڑی تھی۔ ایک ہاتھ رومال میں لپٹا ہوا تھا جس پر خون کا دھبّا تھا۔ یہ شخص نوجوان تھا، زیادہ سے زیادہ پچیس سال کا۔ چہرے سے مضبوطی اور مردانگی عیاں تھی۔ تاہم اُس وقت وہ دہشت ناک حد تک زرد اور پریشان دکھائی دیتا تھا۔

"مجھے افسوس ہے ڈاکٹر صاحب کہ میں نے اتنے سویرے آپ کو پریشان کیا۔" اُس نے کہا۔ "لیکن رات کو مجھے ایک سخت حادثہ پیش آگیا۔ ابھی صبح میں ٹرین سے اترا تو اسٹیشن پر دریافت کیا کہ مجھے ڈاکٹر کہاں مل سکتا ہے۔ گارڈ صاحب مہربانی فرما کر مجھے آپ کے پاس لے آئے۔ میں نے ملازمہ کو اپنا کاروباری کارڈ دیا تھا، لیکن وہ اسے میز پر ہی چھوڑ گئی تھی۔"

میں نے کارڈ اٹھا کر نظر ڈالی۔ "مسٹر وکٹر ہیدرلی، ہائڈرالک انجینئر، ۱۶- اے، وکٹوریا اسٹریٹ" تحریر تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" میں نے کہا اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "رات کے سفر کے بعد آپ تر و تازہ دکھائی دیتے ہیں۔ حال آں کہ ایسا سفر غیر دلچسپ بھی ہوتا ہے اور تھکا دینے والا بھی۔"

"مگر، میری رات کو غیر دلچسپ نہیں کہا جا سکتا۔" اُس نے جواب

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

دیا اور بے تحاشہ ہنسنا شروع کر دیا۔ اس کی آواز تیز اور باریک ہو گئی اور بازو خوف ناک طریقے سے ہلنے لگے۔

"بس کرو!" میں نے کہا۔ "خود پر قابو پاؤ!" میں نے گلاس میں پانی بھر کر دیا، لیکن وہ قابو سے باہر دکھائی دیتا تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ خاموش ہوا۔

"مجھ سے بڑی حماقت ہوئی۔" اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"بالکل نہیں۔ یہ پیو!" میں نے پانی میں ایک دوا ڈال کر کہا۔ پیتے پیتے اس کے سفید گالوں میں سُرخی دوڑنا شروع ہو گئی۔

"اب ٹھیک ہوں!" انجینیئر نے کہا، "اور اب ڈاکٹر صاحب آپ میرے انگوٹھے کا معائنہ فرمالیں، بلکہ اس جگہ کا جہاں کبھی میرا انگوٹھا ہوا کرتا تھا۔"

اُس نے زخم پر سے اپنا رومال کھول کر ہاتھ بڑھادیا۔ اس پر نظر ڈالتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چار انگلیاں تو موجود تھیں مگر انگوٹھے کے بجائے ایک ڈراؤنی سُرخ اسپنج جیسی خالی جگہ تھی، انگوٹھا جڑ سے اکھاڑ دیا گیا تھا۔

"اُف اللہ!" میں چیخا۔ "یہ تو بڑا خوف ناک زخم ہے۔ بہت سا خون نکل گیا ہوگا۔"

"جی ہاں، خون نکلا تھا۔ جب یہ کٹا تھا تو میں بے ہوش ہو گیا تھا، اور خاصی دیر تک بے ہوش رہا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ اُس وقت بھی خون بہ رہا تھا۔ لہٰذا میں نے رومال کا ایک سرا کلائی پر کس کر باندھا اور اس جگہ کو ایک درخت کی ٹہنی کے ساتھ جکڑ دیا۔"

"بہت خوب!" میں نے کہا، اور زخم کا زیادہ قریب سے معائنہ کیا۔ "یہ کام کسی بھاری اور تیز آلے سے کیا گیا ہے۔" میں نے کہا

"ایک بغدے جیسی چیز سے۔" اُس نے جواب دیا۔

"غالباً کوئی حادثہ ہوا ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"جی نہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"تو کیا کوئی قاتلانہ حملہ؟" میں نے پوچھا۔

"بے شک سخت قاتلانہ۔"

"آپ تو مجھے بدحواس کیے دے رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

پھر میں نے زخم کو صاف کر کے پٹی باندھی۔ وہ بغیر پلک جھپکائے لیٹا رہا، البتہ وقتاً فوقتاً اپنا ہونٹ کاٹنے لگتا تھا۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟" میں نے کام ختم کر کے پوچھا۔

"بہت اچھی! آپ کی دوا پینے اور زخم پر پٹی بندھنے سے میں خود کو ایک نیا انسان سمجھنے لگا ہوں۔ میں بہت کم زوری محسوس کر رہا تھا، لیکن حادثہ بھی بہت شدید تھا۔"

"بہتر یہ ہے کہ آپ اس معاملے پر بات ہی نہ کریں۔" میں نے کہا، "یہ حادثہ آپ کے لیے بڑا پریشان کُن معلوم ہوتا ہے۔"

"جی ہاں، پریشان کُن تھا لیکن اب نہیں۔ مجھے اپنی کہانی پولیس کے سامنے بیان کرنی ہے، لیکن شاید وہ میری بات پر یقین ہی نہ کریں۔ سچ یہ ہے کہ معاملہ بڑا غیر معمولی ہے اور اس زخم کے سوا میرے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں، تاہم اگر وہ یقین کر بھی لیں تو مجرموں کا پکڑا جانا مشکل ہے۔ میرے پاس ان کا سراغ لگانے کے لیے کچھ اشارے ہی تو ہیں۔"

"اچھا! اگر یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ ہے تو میرا مشورہ ہے کہ آپ میرے دوست شرلاک ہومز سے مل لیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں، میں نے اُن کے بارے میں سُنا ہے۔" اُس نے جواب دیا۔ "مجھے ان سے مشورہ کر کے بڑی خوشی ہوگی.... تاہم مجھے پولیس

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

کے پاس تو جانا ہی پڑے گا۔ کیا آپ مجھے کوئی تعارفی خط لکھ دیں گے؟"

"تعارفی خط نہیں، میں خود تمہیں لے کر اُن کے پاس جاؤں گا۔"

"آپ کا مجھ پر یہ بہت احسان ہوگا۔" انجینیئر نے کہا۔

"ہم سواری کا انتظام کرکے ساتھ چلیں گے، اور ٹھیک ایسے وقت پہنچ جائیں گے کہ ان کے ساتھ تھوڑا بہت ناشتہ کرلیں۔ کیا تم تیار ہو؟"

"بالکل، مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک میں اپنی کہانی نہ سنا لوں۔"

"تو پھر میرا ملازم سواری لے آئے گا اور میں ابھی آتا ہوں۔" میں تیزی کے ساتھ اوپر گیا، بیوی کے ساتھ بات کی، اور پانچ منٹ بعد ہم ایک کرائے کی ٹم ٹم میں بیکر اسٹریٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

میری توقع کے مطابق شرلاک ہومز سو کر اُٹھ چکا تھا اور ڈریسنگ گاؤن پہنے، معمول کے مطابق ناشتے سے پہلے وہ پائپ پی رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ خوش ہوا اور خادمہ کو ہمارے لیے ناشتہ لانے کی ہدایت کی۔ ناشتے سے فارغ ہوکر ہم نے انجینیئر کو صوفے پر بٹھا دیا۔ اس کے سر کے نیچے تکیہ اور قریب ہی پانی کا گلاس رکھ دیا۔

"یہ تو صاف نظر آرہا ہے کہ آپ کسی غیر معمولی تجربے سے گزر چکے ہیں۔" ہومز نے کہا، "براہِ کرم آپ اس پر آرام سے لیٹ جایئے، اور جو کچھ آپ پر بیتی ہے وہ بیان کیجیے، لیکن اگر تھک جائیں تو رُک جایئے گا۔ درمیان میں پانی پیتے رہیئے۔"

"شکریہ آپ کا۔" میرے مریض نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر صاحب کی مرہم پٹی کے بعد میں خود کو بہتر محسوس کررہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے ناشتے نے باقی کسر بھی پوری کردی ہے۔ جہاں تک ہو سکے گا میں آپ کا کم سے کم وقت لوں گا۔ لہٰذا اپنی انوکھی داستان فوراً شروع کررہا ہوں۔"

ہومز اپنی آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور میں نے اُس کے سامنے والی نشست سنبھال لی اور خاموشی کے ساتھ انجینیئر کی عجیب و غریب کہانی سُننا شروع کی۔

"آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میرے ماں باپ نہیں ہیں اور میں نے ابھی شادی بھی نہیں کی ہے۔ میں لندن میں اکیلا رہتا ہوں۔ پیشے کے لحاظ سے انجینیئر ہوں اور گرین وِچ میں ایک مشہور فرم کے ساتھ سات برس تک کام کرکے خاصہ تجربہ حاصل کرچکا ہوں۔ دو سال ہوئے میرے غریب باپ کا انتقال ہوگیا۔ وہ جو تھوڑی بہت رقم چھوڑ گئے تھے اُس سے میں نے خود اپنا کار بار کرنے کی ٹھانی اور وکٹوریا اسٹریٹ میں ایک دفتر کرائے پر حاصل کرلیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہر کار بار میں شروع میں مشکل پیش آتی ہے۔ پچھلے دو سالوں میں مجھے چند کام ملے جن سے معمولی سی آمدنی ہوئی۔ ہر روز صبح نو بجے سے چار بجے سہ پہر تک میں گاہکوں کا انتظار کرتا تھا اور آخر میں نے یہ سوچنا شروع کردیا کہ میرا کاربار ناکام ہوگیا۔

"کل میرا کلرک میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک صاحب کاربار کے سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک کارڈ تھا۔ جس پر "کرنل لائی سینڈر اسٹارک" لکھا ہوا تھا۔ ملازم کے پیچھے پیچھے کرنل اسٹارک بھی کمرے میں داخل ہوا جو ایک لمبا اور بہت ہی دُبلا پتلا آدمی تھا۔ میں نے اس سے زیادہ دُبلا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ وہ سادے مگر صاف ستھرے لباس میں تھا اور اس کی عمر چالیس سال کے قریب معلوم ہوتی تھی۔

"مسٹر ہیدرلی؟" اس نے کچھ جرمن جیسے لہجے میں پوچھا۔ جب میں نے گردن ہلا کر ہاں کہا تو وہ کہنے لگا، مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

اپنے پیشے میں مہارت رکھتے ہیں اور راز داری بھی برت سکتے ہیں،"
میں اپنی تعریف سن کر خوش ہوگیا۔ "آپ سے کس نے کہا؟"

"یہ ابھی میں نہیں بتاؤں گا۔ ہاں، مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کے نہ والدین ہیں، نہ بیوی بچے اور آپ لندن میں اکیلے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن اس کا میرے کام سے کیا تعلق ہے۔ آپ تو کسی کام سے آئے ہیں؟" میں نے کہا۔

"جی ہاں، بے شک۔ لیکن جلد ہی آپ کو پتا چل جائے گا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ فضول نہیں۔ میں جس کام سے آپ کے پاس آیا ہوں، وہ راز داری کا کام ہے۔ اور اسے آپ جیسا ایک اکیلا نوجوان ہی زیادہ اچھی طرح کرسکتا ہے۔"

"اگر میں رازداری کا وعدہ کروں، تو راز رکھوں گا بھی"، میں نے کہا۔

"تو پھر آپ وعدہ کرتے ہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"جی ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا آپ کام سے پہلے، کام کے دوران میں اور بعد میں بالکل خاموش رہیں گے؟ اس معاملے سے متعلق نہ تو آپ کچھ کہیں گے اور نہ ایک لفظ لکھیں گے؟"

"میں پہلے ہی آپ سے وعدہ کرچکا ہوں۔"

"بہت خوب۔" وہ اچانک اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اور دروازے کی طرف لپک کر جلدی سے کواڑ کھولا۔ راہ داری خالی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اُس نے واپس آتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ بعض اوقات کلرک اپنے آقا کے معاملات کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔" اس نے کرسی میرے بالکل قریب کھینچ کر سوالیہ انداز سے مجھے دیکھنا شروع کیا۔ مجھے اس آدمی سے وحشت سی ہونے لگی۔ اُس کے طور طریقوں نے مجھے خوف زدہ کردیا۔

"جناب میری درخواست ہے کہ آپ اپنا مدعا بیان فرمائیں۔" میں نے کہا۔ "میرا وقت قیمتی ہے۔"

"ایک رات کے کام کے پچاس پونڈ کیسے رہیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"نہایت مناسب۔" میں نے جواب دیا۔ یہ رقم میری عام فیس سے دس گنا زیادہ تھی۔

"میں نے ایک رات کا کام کہا ہے، حال آں کہ یہ تقریباً ایک ہی گھنٹے کا کام ہے۔ میں ایک ہائڈرالک مشین کے بارے میں جو خراب ہوگئی ہے، آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ یہ بتادیں کہ خرابی کیا ہے تو مشین ہم خود ٹھیک کرلیں گے۔ آپ کا اس قسم کے کام کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کام تو معمولی نظر آتا ہے اور پیسے معقول ہیں۔"

"بالکل یہی بات ہے۔ ہم چاہتے ہیں آج رات کی آخری گاڑی سے آپ تشریف لائیں۔"

"کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"ای فورڈ، برک شائر۔ لندن سے چل کر ایک ٹرین گیارہ پچیس پر ای فورڈ پہنچتی ہے۔ آپ اس سے آجائیے۔"

"بہت اچھا۔" میں نے کہا۔

"میں اسٹیشن پر آپ کو لینے آجاؤں گا۔"

"کیا وہاں سے کچھ فاصلے پر جانا ہے؟"

"ہاں، ہمارا گھر دیہات میں ہے۔ ای فورڈ اسٹیشن سے سات میل دور۔"

"تو ہم مشکل ہی سے آدھی رات سے پہلے منزل پر پہنچ سکیں گے۔ غالباً اس رات واپسی کی ٹرین تو ملے گی نہیں۔ مجھے وہیں ٹھیرنا ہوگا۔"

"جی ہاں، ہم آپ کے قیام کا بندوبست کردیں گے۔" کرنل نے کہا۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"یہ وقت بڑا ناموزوں ہے۔ کیا میں کسی اور مناسب وقت نہیں آ سکتا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہمارے لیے آپ کا دیر ہی میں آنا بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کو اتنی اچھی فیس دے رہے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ آپ انکار کردیں۔"

پچاس پونڈ کی رقم کوئی معمولی نہیں ہوتی۔ میں انکار کیسے کردیتا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا، "میں خوشی کے ساتھ آپ کے کہنے کے مطابق عمل کروں گا۔ اب مجھے زیادہ وضاحت سے سمجھایئے کہ آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"

"یقیناً" اُس نے جواب دیا۔ "فطری طور پر آپ اس راز کو جاننا چاہیں گے۔ کام شروع کرنے سے پہلے آپ کو ہر چیز بتادی جائے گی۔" اُس نے کہا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا: "کوئی چھُپ کر ہماری باتیں تو نہیں سُن رہا؟"

"بالکل نہیں" میں نے جواب دیا۔

"آپ نے غالباً سجّی (کھاری مٹّی) کے بارے میں سُنا ہوگا۔ یہ ایک مٹّی جیسی چیز ہے جس کو کئی طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ اہم استعمال تیلوں کو صاف کرنا ہے۔ سجّی بہت قیمتی چیز ہے اور انگلینڈ میں صرف ایک یا دو جگہ ہی ملتی ہے۔"

"جی ہاں، میں نے سُنا ہے۔"

"کچھ عرصہ ہوا میں نے دیہات میں ایک چھوٹی سی جگہ خریدی تھی۔ مجھے پتا چلا کہ اس زمین میں سجّی کا ذخیرہ موجود ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ ذخیرہ بہت چھوٹا ہے۔ تاہم، یہ آس پاس کے دو بڑے ذخیروں سے ملا ہوا تھا۔ یہ دونوں ذخیرے میرے پڑوسیوں کی زمین پر تھے، لیکن پڑوسیوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی زمین پر اس قدر قیمتی چیز موجود ہے۔

ظاہر ہے یہ بات میرے مفاد میں تھی کہ اُن کو اپنی زمین کی صحیح قیمت معلوم ہونے سے پہلے ہی وہ زمین میں خرید لوں۔ بدقسمتی سے میرے پاس رقم نہیں تھی۔ میں نے اپنے کچھ دوستوں کو اس راز میں شریک کرلیا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ ہم خاموشی اور راز داری کے ساتھ اپنے ذخیرے پر کام شروع کردیں۔ جلد ہی ہم اتنی رقم کمالیں گے کہ پڑوس کی زمین خریدلیں۔ اب کچھ عرصے سے ہم اپنے ذخیرے پر کام کررہے ہیں۔ اپنے کام میں مدد لینے کے لیے ہم نے ایک ہائڈرالک پریس خریدلیا تھا۔ اس مشین سے مٹّی کو داب کر اینٹوں کی شکل دی جاتی ہے۔ چوں کہ یہ مشین خراب ہوگئی ہے اس لیے مجھے آپ کے پاس آنا پڑا ہے۔ ہم اپنے راز کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک انجینیئر ہمارے گھر پر آیا ہے تو اُس کو شبہ ہوسکتا ہے اور اسی وجہ سے آپ کا رات گئے آنا ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ پوری بات سمجھ گئے ہوں گے!"

"جی ہاں، میں سمجھ گیا ہوں" میں نے کہا۔ "بس ایک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ ہائڈرالک پریس کو آپ کس کام میں لاتے ہیں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں سجّی مٹّی کو تو کنکر اور بجری کی طرح کھود کر زمین سے نکالا جاتا ہے۔"

"ہاں!" اُس نے لاپروائی سے کہا۔ "کام کرنے کا ہمارا اپنا ڈھنگ ہے۔ ہم مٹّی کو داب کر اینٹوں کی شکل دیتے ہیں۔ اس طرح اُن کو لے جاتے وقت کسی کو یہ پتا نہیں چلتا کہ اُن کی اصلیت کیا ہے۔ تو بس یہ ہے تھوڑی سے تفصیل۔ مسٹر ہیدرلی! میں نے آپ پر پوری طرح اعتماد کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ مقررہ وقت پر ای فورڈ پہنچ جائیں گے" بات کرتے کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"میں پہنچ جاؤں گا۔ آپ مطمئن رہیے۔" میں نے کہا۔

"اور یہ قطعی راز رہے گا۔" وہ مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد جلدی سے کمرے سے چلا گیا۔

"بہرحال، یہ معاملہ جس طرح ہوا میں اُس پر کافی حیران تھا۔ ایک طرف میں خوش تھا کہ پچاس پونڈ میری عام فیس سے دس گُنا زیادہ تھے۔ دوسری طرف وہ آدمی مجھے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ سجی مٹی کی تفصیل اور اتنی رات کو مجھے وہاں بلانا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ تاہم، میں وعدہ کرچکا تھا۔ چناں چہ میں نے سیر ہوکر کھانا کھایا اور اسٹیشن پہنچ کر آئی فورڈ جانے والی گاڑی پر سوار ہوگیا۔

میں گیارہ بجے کے قریب آئی فورڈ پہنچا۔ گاڑی سے اترنے والا میں ہی اکیلا آدمی تھا۔ پلیٹ فارم پر صرف ایک قلی تھا جو اونگھ رہا تھا۔ دروازے سے نکلتے ہی کرنل اسٹارک مجھے نظر آگیا جو اندھیرے میں کھڑا میرا انتظار کررہا تھا۔ اس نے میرا بازو تھام کر مجھے ایک بگھی میں بٹھا دیا اور کھڑکیاں بند کرکے گاڑی بان سے چلنے کو کہا۔"

"گھوڑا ایک تھا؟" ہومز نے بات کاٹ کر پوچھا۔

"جی صرف ایک ہی تھا۔"

"کیا تم نے گھوڑے کا رنگ دیکھا تھا؟" ہومز نے دریافت کیا۔

"جی ہاں، کمیت گھوڑا تھا۔" انجینیئر نے جواب دیا۔

"تھکا ہوا دکھائی دیتا تھا یا تازہ دم؟"

"بالکل تازہ دم۔"

"شکریہ،" ہومز نے کہا، "براہِ مہربانی اپنا دلچسپ بیان جاری رکھیے۔"

"ہم چل پڑے اور کم سے کم ایک گھنٹے تک چلتے رہے۔ کرنل لائی سینڈر اسٹارک نے بتایا تھا کہ فاصلہ سات میل کا ہے۔ لیکن جتنا وقت اُس نے لیا اُس کے مطابق میرا خیال ہے کہ ہم کوئی بارہ میل چلے ہوں گے۔

کرنل میرے برابر ہی بیٹھا تھا۔ راستے بھر اُس نے کوئی بات نہیں کی۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی، لیکن اس پر اُوس جمی ہوئی تھی اور مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ سڑک ناہموار تھی حالانکہ ہم پہاڑوں یا ٹیلوں پر سفر نہیں کررہے تھے۔ جھٹکے اور دھچکے انتہائی شدید تھے۔ آخرکار اچھل کود ختم ہوئی اور ہم نے ہموار راستے پر چلنا شروع کیا جو کنکر بجری کا بنا ہوا تھا۔ پھر گاڑی رُک گئی۔ ہم گاڑی سے ایک پورچ کے اندر اُترے میں مکان کے سامنے کا رُخ نہیں دیکھ سکا۔ ہمارے اترتے ہی دروازہ فوراً بند کردیا گیا اور واپس جاتی ہوئی گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ سُنائی دینے لگی۔

"مکان کے اندر گہرا اندھیرا تھا۔ کرنل ماچس جلاتا رہا۔ اچانک راستے کے دوسری جانب ایک دروازہ کھُلا۔ روشنی کی ایک لمبی لکیر ہماری طرف آتی دکھائی دی۔ ایک عورت ہاتھ میں لیمپ لیے نظر آئی۔ عورت حسین و جمیل تھی اور قیمتی کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اُس نے اجنبی زبان میں کچھ لفظ کہے۔ کرنل نے جھلّا کر اس کو جواب دیا، جس کو سن کر وہ اس قدر بوکھلا گئی کہ لیمپ قریب قریب اُس کے ہاتھ سے گرنے لگا۔ کرنل اسٹارک نے اس سے لیمپ لے لیا اور اس کے کان میں چُپکے سے کچھ کہا، پھر اسے اسی کمرے میں دھکیل دیا جس سے وہ باہر آئی تھی۔

"مہربانی فرماکر آپ اس کمرے میں تشریف رکھیں،" اسٹارک نے ایک دوسرا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ یہ ایک چھوٹا کمرا تھا جس کے بیچ میں ایک میز پڑی تھی۔ اس پر کئی کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ کرنل اسٹارک نے لیمپ کو میز پر رکھ دیا اور میں ابھی آتا ہوں، کہہ کر اندھیرے میں غائب ہوگیا۔

"میں نے کتابوں پر نظر ڈالی۔ گو میں وہ زبان تو نہیں جانتا، لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ کتابیں جرمن زبان میں تھیں۔ میں کھڑکی تک

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

اس امید میں گیا کہ باہر کی کوئی جھلک نظر آئے۔ لیکن کھڑکی پر لکڑی کے تختے جڑے ہوئے تھے۔ برآمدے میں ایک پرانے گھڑیال کی ٹک ٹک کے سوا پورے مکان پر موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔ آخر یہ جرمن لوگ کون ہیں؟ یہ اس عجیب اور سب سے الگ ویران جگہ پر رہ کر کیا کر رہے ہیں؟ مجھے بس اتنا معلوم تھا کہ میں ای فورڈ سے دس میل کے لگ بھگ فاصلے پر ہوں۔ لیکن کس سمت میں، شمال، مشرق، جنوب، مغرب؟ مجھے کچھ پتا نہ تھا۔

اچانک میرے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ عورت باہر آئی۔ وہ بہت خوف زدہ نظر آرہی تھی۔ اُس نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کچھ الفاظ کہے۔ بات کرتے ہوئے وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی رہی۔

"چلے جاؤ۔" اُس نے کہا۔ "فوراً یہاں سے چلے جاؤ، یہاں تمھاری خیر نہیں۔"

"لیکن محترمہ، میں نے تو ابھی اپنا کام بھی شروع نہیں کیا ہے جب تک میں مشین کو نہ دیکھ لوں کس طرح جا سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تمھارا یہاں ٹھیرنا بے فائدہ ہے۔" وہ بولتی گئی۔ "تم دروازہ کھول کر باہر جا سکتے ہو۔ تمھیں کوئی نہیں روکے گا۔" میں نے مسکرا کر انکار میں اپنا سر ہلایا۔ وہ آگے بڑھی اور ہاتھ جوڑ کر بولی، "اللہ کے واسطے! یہاں سے فوراً چلے جاؤ!"

لیکن میری طبیعت میں ضد تھی۔ میں نے سوچا کہ مجھے ایک معقول رقم مل رہی ہے اور میں اتنی رات کو لندن سے یہاں ای فورڈ آیا ہوں، کیا یہ سب کچھ بے کار تھا؟ میں اپنا کام ختم کیے بغیر یا اپنی اجرت لیے بغیر کیوں جاؤں؟ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت پاگل ہو۔ وہ مجھ سے کچھ اور

کہنے والی تھی، لیکن سیڑھیوں پر قدموں کی آواز سُن کر بڑی تیزی کے ساتھ غائب ہو گئی۔

"یہ کرنل اسٹارک کے قدموں کی آواز تھی۔ وہ ایک پستہ قد، موٹے اور بھاری بھرکم داڑھی والے آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ مسٹر فرگوسن ہیں۔" اُس نے کہا۔ "یہ میرے سکریٹری اور منیجر ہیں۔"

پھر اُس کی نظر دروازے پر پڑی۔ عجیب بات ہے، میرا خیال ہے کہ میں تو ابھی ابھی دروازے کو بند چھوڑ گیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو ٹھنڈی ہوا سے تکلیف تو نہ پہنچی ہوگی۔

"نہیں بالکل نہیں"، میں نے خود دروازہ کھولا تھا کیوں کہ مجھے کچھ گرمی سی محسوس ہوئی تھی، میں نے کہا۔

اُس نے شک آمیز نظر سے مجھے دیکھا۔ "بہتر یہ ہے کہ ہم اب کام شروع کریں۔" اس نے کہا۔ "آئیے۔ آپ چل کر مشین کو دیکھ لیجیے، مشین یہیں پر ہی ہے۔"

"کیا آپ سچی مٹی کو گھر کے اندر کھودتے ہیں؟"

"نہیں، نہیں۔ اس جگہ ہم اس کو دبا کر اینٹیں بناتے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔ "تاہم آپ اس چکر میں نہ پڑیں! جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ مشین کو دیکھ کر اس کی خرابی بتا دیں۔"

"ہم ساتھ ساتھ اوپر گئے۔ پہلے کرنل جس کے پاس لیمپ تھا، پھر موٹا منیجر اور اس کے پیچھے میں۔ ہم راہ داریوں، برآمدوں اور چکر دار زینوں پر سے گزرے۔ پہلی منزل پر کہیں کسی قالین یا فرنیچر کا وجود نہیں تھا۔ دیواروں سے پلستر اکھڑ رہا تھا اور نمی نے سبز بدنما دھبے ڈال دیے تھے۔ میں اس عورت کی تنبیہ کو بھولا نہ تھا اور اپنے دونوں ساتھیوں پر نظر رکھے ہوا تھا۔

"آخر کرنل لائی سینڈر اسٹارک ایک بہت نیچے دروازے پر رُکا اور

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

اُس کا تالا کھولا۔ اندر ایک مختصر سا چوکور کمرہ تھا۔ یہ اتنا مختصر تھا کہ ہم تینوں اس میں ایک ساتھ نہیں سما سکتے تھے۔ فرگوسن باہر ہی رہا، کرنل اور میں اندر گئے۔

"ہم اس وقت پریس کے اندر ہیں۔ اگر کوئی مشین چلا دے تو بس ہمارا خاتمہ ہے"، اس نے کہا۔ "اس چھوٹے سے کمرے کی چھت پریس کا اوپر کا حصّہ ہے جو اس آہنی فرش پر کئی ٹن کی طاقت سے نیچے اترتا ہے۔ مشین اب بھی کام کرتی ہے، لیکن اس میں روانی نہیں۔ اب آپ یہ دیکھ کر بتائیں کہ اس کو کیسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔

میں نے اس کے ہاتھ سے لیمپ لے کر مشین کا اچھی طرح سے معائنہ کیا۔ وہ اچھی خاصی بڑی مشین تھی اور بہت زیادہ دباؤ ڈال سکتی تھی۔ باہر جا کر میں نے اُن لیوروں کو دیکھا جو مشین کو کنٹرول کرتے تھے۔ مجھے فوراً ہی مشین کی خرابی کا پتا چل گیا۔ مشین چلانے والی سلاخ کے سرے پر چڑھا ہوا ربڑ کا ایک چھلّا سکڑ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے مشین پوری طرح کام نہیں کر رہی تھی۔ میں نے یہ خرابی دونوں آدمیوں کو بتائی۔ انھوں نے بڑے غور سے میری بات کو سُنا اور کئی سوال پوچھے۔ جب میں پوری بات سمجھا چکا تو واپس چھوٹے کمرے میں آ گیا۔ میرے دل میں پورے معاملے کا کھوج لگانے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ میرے خیال میں سچّی مٹّی والی کہانی بالکل جھوٹ تھی .... یہ سوچنا ہی حماقت تھا کہ اتنی طاقت ور مشین سے اینٹیں بنانے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ کمرے کی دیواریں تو لکڑی کی تھیں لیکن فرش لوہے کا تھا۔ جب میں نے فرش کا معائنہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک دھات کے ذرّے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے جُھک کر فرش کو کھُرچا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ دھات کو دابنے یا ڈھالنے کا کام کرتے تھے۔ اچانک جرمن آدمی کی زور سے بولنے کی آواز سنائی دی۔

"تم وہاں کیا کر رہے ہو؟" اُس نے سوال کیا۔

میں ان کی جھوٹی کہانی پر بھرا بیٹھا تھا۔ "میں آپ کی سچّی مٹّی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا"، میں نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر آپ یہ بتا دیتے کہ اس مشین سے اصل کام کیا لیا جا رہا ہے تو میں زیادہ بہتر مشورہ دے سکتا تھا۔"

جوں ہی میں نے یہ الفاظ ادا کیے وہ گھبرا اُٹھے۔ اسٹارک کا چہرہ بھیانک ہو گیا اور آنکھوں سے شیطینت ٹپکنے لگی۔

"بہت اچھا، تمھیں اس مشین کے بارے میں سب کچھ پتا چل جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور چھوٹے سے دروازے کو بند کر کے چابی گھما دی۔ میں دروازے کی طرف لپکا اور ہینڈل گھمایا۔ وہ ٹس سے مَس نہ ہوا۔ میں نے پوری طرح زور آزمائی کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ "سنو!" میں زور سے چیخا، "مجھے باہر نکالو۔"

"اور پھر اچانک ایک زور دار آواز آئی۔ اُس نے مشین کو چلا دیا تھا۔ لیمپ فرش پر رکھا ہوا تھا۔ جس کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ چھت میں حرکت پیدا ہو گئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ جھٹکے کھاتی ہوئی میرے اوپر آ رہی تھی۔ گویا ایک منٹ میں وہ میرا بھرتا بنانے والی تھی! ..... میں دروازے کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا اور زور زور سے چیخنے لگا۔ دروازہ کھولنے کی کوشش کی، گڑگڑا کر کرنل سے باہر نکالنے کی درخواست کی، لیکن بے سود، چھت نیچے کی طرف حرکت کرتی رہی۔ میں نے ہاتھ اونچے کر کے دیکھا کہ اُس کی کھُردری سطح قریب سے قریب تر ہو رہی تھی۔ اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ موت کی تکلیف میں کمی یا زیادتی کا انحصار میری جسمانی وضع پر ہے اگر میں اوندھا لیٹ جاؤں تو وزن ریڑھ کی ہڈی پر پڑے گا۔ میں یہ سوچ کر لرز گیا۔ پھر سوچا کہ پہلے سر کچلا جائے تو آسان موت ہو گی۔ مگر کیا میں اُس کو نیچے آتا ہوا دیکھ سکوں گا؟ میں نے بچنے کی موہوم امید میں کمرے

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

پر نظر ڈالی - معجزانہ طور پر مجھے ایک راستہ نظر آگیا!

"مجھے دیوار کے دو تختوں کے درمیان روشنی کی ایک باریک لکیر نظر آئی جو پھیلتی چلی گئی کیوں کہ کوئی تختوں کو دھکا دے رہا تھا - مجھے بہ مشکل اپنی آنکھوں پر یقین آیا کہ بچنے کا ایک راستہ نکل آیا ہے - کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر میں نے دوسری طرف چھلانگ لگادی اور نیم بے ہوشی کے عالم میں زمین پر گر گیا - اسی وقت وہ راستہ بند ہوگیا اور لیمپ کے ٹوٹنے اور چھت کے فرش سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی - اس وقت مجھے پتا چلا کہ موت مجھ سے کتنی قریب تھی -

"میں نے خود کو ایک تنگ سی راہ داری میں پتھر کے فرش پر پڑا پایا - وہ حسین عورت میرے اوپر جھکی ہوئی تھی - اُس نے بائیں ہاتھ سے مجھے جھنجوڑا اس کے دائیں ہاتھ میں موم بتی تھی -

"اٹھو!" وہ تیزی سے بولی - "جب اُنھیں پتا چلے گا کہ تم وہاں نہیں ہو تو وہ ایک لمحے میں یہاں آجائیں گے - اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو - فوراً اُٹھو!"

"اس مرتبہ میں نے اُس کے کہنے پر عمل کیا، میں جلد ہی اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور پھر اس کے ساتھ راہ داری سے گزر کر ایک چکّر دار زینے پر سے اترنے کے لیے دوڑ لگائی - جوں ہی ہم وہاں پہنچے تو پیچھے سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی - دونوں آدمی ہمارے بالکل قریب پہنچ چکے تھے - میری رہبر نے چاروں طرف گھبرا کر دیکھا اور ایک دروازہ کھول دیا جو ایک خواب گاہ میں جاتا تھا - اس کی کھڑکی سے مجھے چاند نظر آیا -

"تمھارے بچنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے" وہ کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی - "یہ اونچی ضرور ہے، لیکن شاید تم کود سکو"

"جس وقت وہ بات کر رہی تھی تو راستے کے دوسری طرف ایک روشنی دکھائی دی - اچانک کرنل لائی سینڈر اسٹارک کا دُبلا پتلا جسم میری نظروں

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

کے سامنے آیا۔ وہ ایک ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے میں قصائی کے بُغدے جیسا ایک ہتھیار پکڑے ہماری طرف دوڑ رہا تھا۔ میں خواب گاہ میں دوڑ کر کھڑکی کے پاس پہنچا اور کھڑکی کو پوری طرح کھول کر دیکھا۔ تقریباً تیس فیٹ نیچے باغ تھا۔ میں کھڑکی کی چوکھٹ پر تو چڑھ گیا، لیکن کودنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میری نجات دہندہ اور کرنل کے درمیان کیا معاملہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اُس کو مارنا چاہے تو میں اپنی جان پر کھیل کر اس کی مدد کروں۔ میں نے یہ سوچا ہی تھا کہ وہ دروازے پر پہنچ گیا اور عورت کو دھکیل کر آگے بڑھنے لگا۔ عورت نے اپنے بازوؤں سے اس کو جکڑ کر پیچھے سے روکنے کی کوشش کی۔

"فرٹز! فرٹز!" اس نے چلّا کر انگریزی میں کہا۔ "اپنا پچھلا وعدہ یاد کرو۔ تم نے کہا تھا یہ دوبارہ نہیں ہوگا۔"

"تم پاگل ہو، ایلسی!" وہ چیخا اور اُس سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ "تم ہمیں تباہ کردو گی۔ اُس نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ میں کہتا ہوں مجھے جانے دو۔" وہ عورت کو ایک طرف دھکیل کر کھڑکی کی طرف جھپٹا اور اپنے بھاری بھرکم ہتھیار سے مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس دوران میں کھڑکی سے کودنے کے لیے نیچے اپنے ہاتھوں پر لٹک چکا تھا۔ بُغدا ہاتھ پر لگنے سے ایک قسم کے میٹھے میٹھے درد کا احساس ہوا، گرفت کمزور پڑی اور میں نیچے باغ میں گر گیا۔

"مجھے دھچکا تو لگا، لیکن اس طرح گرنے سے چوٹ نہیں آئی۔ لہٰذا میں نے اٹھ کر گلاب کی جھاڑیوں میں چھپنے کے لیے دوڑ لگائی۔ اچانک میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میں نے اپنے ہاتھ میں شدید تکلیف محسوس کی۔ دیکھا تو پتا چلا کہ میرا انگوٹھا کٹ چکا تھا۔ زخم سے خون نکل رہا تھا۔ میں نے اس پر اپنا رومال باندھنے کی کوشش کی، لیکن اسی وقت کانوں میں بھنبھناہٹ سی محسوس ہوئی اور میں گلاب کی

جھاڑیوں میں بے ہوش ہوگیا۔

"مجھے پتا نہیں کہ میں کتنی دیر بے ہوش رہا، لیکن جب میں ہوش میں آیا تو صبح ہو رہی تھی۔ میرے کپڑے اوس سے بھیگ چکے تھے اور کوٹ کی آستین زخمی انگوٹھے کے خون سے تربہ تر تھی۔ زخم کی تکلیف نے مجھے گزشتہ رات کے سانحے کی یاد دلائی۔ میں خطرے کا احساس کرکے کھڑا ہوگیا اور حیرانی کے ساتھ دیکھا کہ میں باغ میں نہیں، بلکہ بڑی سڑک کے کنارے ایک باڑھ کے قریب لیٹا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ ای فورڈ اسٹیشن تھا۔

"نیم بدحواسی کے عالم میں، میں اسٹیشن کے اندر گیا اور صبح کی ٹرین کے بارے میں دریافت کیا۔ مجھے تقریباً ایک گھنٹے تک انتظار کرنا تھا۔ اسٹیشن پر وہی رات والا قلی ڈیوٹی پر تھا۔ میں نے اس سے کرنل لائی سینڈر اسٹارک کے بارے میں پوچھا، اُسے معلوم نہ تھا۔ کیا اُس نے رات کو کسی گاڑی کو میرا انتظار کرتے دیکھا تھا؟ اُس نے یہ بھی نہیں دیکھا۔ کیا قریب میں کوئی پولیس اسٹیشن ہے؟ جواب ملا، تین میل کے فاصلے پر ہے۔

مجھ میں اتنے فاصلے کا سفر کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پولیس میں رپورٹ کرنے سے پہلے میں شہر پہنچ جاؤں۔ میں چھے بجے کے قریب یہاں پہنچا۔ زخم پر مرہم پٹی کرانے ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا جو مہربانی فرما کر مجھے آپ کے پاس لے آئے۔ میں اب اپنا معاملہ آپ کے ہاتھوں میں دیتا ہوں اور وہی کچھ کروں گا جس کا آپ مشورہ دیں گے۔"

ایک لمحے تک ہم دونوں خاموش رہے۔ شرلاک ہومز نے الماری میں سے ایک پرانی ضخیم کتاب نکالی۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"دیکھیے یہ اشتہار شاید آپ کی دلچسپی کا باعث ہو۔" اُس نے انجینیئر سے کہا۔ "تمام اخبارات میں تقریباً ایک سال پہلے یہ شائع ہوا تھا۔ اب ذرا اس کو سنیے :

"مسٹر جریمیاہ ہیلنگ، عمر ۲۶ سال، انجینیئر، اس مہینے کی ۹ تاریخ سے لاپتا ہیں، وہ رات دس بجے اپنے گھر سے نکلے تھے اور اس کے بعد سے کسی کو نظر نہیں آئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہ موقع تھا جب کرنل کو مشین ٹھیک کرانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔"

"میرے خدا!" میرا مریض چیخ پڑا۔ "اب معلوم ہوا کہ عورت نے اسٹارک کو اُس کا کیا وعدہ یاد دلایا تھا۔"

"بالکل، یہ تو واضح ہوا کہ کرنل بڑے ٹھنڈے مزاج کا خطرناک آدمی ہے۔ وہ اپنے کھیل میں کوئی رُکاوٹ برداشت نہیں کرتا۔ ٹھیک ہے اس وقت ہر لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اگر آپ کی طبیعت سنبھل گئی ہو تو ہمیں فوراً اسکاٹ لینڈ یارڈ چلنا ہے۔ وہاں سے واپس ای فورڈ جانا ہوگا۔"

تقریباً تین گھنٹے بعد ہم سب ٹرین میں بیٹھے تھے۔ یعنی شرلاک ہومز، انجینیئر، اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کا انسپکٹر براڈ اسٹریٹ، سادے کپڑوں میں ملبوس ایک سپاہی اور میں۔ براڈ اسٹریٹ نے اس علاقے کا ایک نقشہ سیٹ پر پھیلایا اور ای فورڈ کے گرد ایک حلقہ بنانے میں مصروف ہوگیا

"یہ لیجیے۔ گاؤں کے گرد دس میل کے گھیرے میں دائرہ کھینچ دیا گیا ہے۔ جس جگہ کی ہمیں تلاش ہے وہ اس دائرے کے اندر ہوگی۔ میرا خیال ہے جناب آپ نے دس میل ہی کہے تھے؟" وہ بولا۔

"اچھا خاصا ایک گھنٹے کا سفر تھا۔" انجینیئر نے جواب دیا۔

"اور کیا آپ کے خیال میں وہ اتنے فاصلے تک آپ کو بے ہوشی کے عالم میں لے کر آئے تھے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"لائے ہوں گے۔ اٹھانے اور لانے کے بارے میں میری یادداشت

پوری طرح واضح نہیں ہے۔"

"جو بات میری سمجھ میں نہیں آرہی وہ یہ ہے کہ جب انھوں نے آپ کو باغ میں پڑا ہوا پایا تو زندہ کیوں رہنے دیا۔ ممکن ہے اس عورت کی التجاؤں سے اس بدمعاش کا دل پسیج گیا ہو۔" میں نے کہا۔

"مجھے مشکل ہی سے اس بات پر یقین آئے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اس سے زیادہ پُرعزم چہرہ نہیں دیکھا۔" میرے مریض نے جواب دیا۔

"جلد ہی ساری بات صاف ہو جائے گی۔" براڈ اسٹریٹ نے کہا۔ "ہاں تو میں نے دائرہ کھینچ دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جگہ معلوم ہو جائے جہاں پر وہ لوگ مل سکتے ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اس مقام پر انگلی رکھ سکتا ہوں۔" ہومز نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

"یہ ہوئی نا بات!" انسپکٹر بول پڑا۔ "گویا آپ اپنا ذہن بنا چکے ہیں۔ تو پھر بتایے، دیکھیں کون کون اس سے اتفاق کرتا ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ جگہ جنوب میں ہے کیوں کہ اس طرف کا علاقہ بڑا سُنسان ہے۔"

"اور میں کہتا ہوں کہ مشرق میں۔" میرے مریض نے کہا۔

"میرا خیال مغرب کا ہے۔" سادے لباس والے سپاہی نے تبصرہ کیا۔ "اُس طرف بہت سے پرسکون دیہات ہیں۔"

"میرے نزدیک شمال ہے۔" میں نے کہا۔ "کیوں کہ اس طرف پہاڑیاں نہیں ہیں ہمارے دوست نے بتایا ہے کہ انھوں نے سواری کو اوپر چڑھتے ہوئے محسوس نہیں کیا تھا۔"

"کہیے، آپ کا کیا خیال ہے؟" انسپکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ سب غلطی پر ہیں۔" ہومز نے کہا۔

"لیکن ہم سب تو غلطی پر نہیں ہو سکتے۔"

"جی ہاں۔ آپ تینوں غلطی پر ہیں۔" ہومز نے دائرے کے مرکز میں انگلی

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ ہمیں ملیں گے۔"

"لیکن وہ بارہ میل کا سفر؟" ہیدرلی نے کہا۔

"چھ جانے کے اور چھ آنے کے۔ سیدھی سی بات ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ گھوڑا تازہ دم تھا۔ یہ کس طرح ممکن تھا اگر وہ بارہ میل چل کر آئے ہوتے۔"

"بے شک، یہی بات ممکن نظر آتی ہے۔" براڈ اسٹریٹ نے سوچتے ہوئے اظہار خیال کیا۔ "یہ لوگ زبردست مجرم معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں۔" ہومز نے کہا۔ "یہ لوگ جعل ساز ہیں۔ بڑے پیمانے پر جعلی سکے بنا رہے ہیں اور چاندی کی جگہ دوسری دھاتوں کو آمیز کر کے استعمال کرنے کے لیے مشین سے کام لیتے ہیں۔"

"ہمیں کافی دن سے یہ معلوم ہے کہ جعل سازوں کا ایک گروہ کام کر رہا ہے۔ وہ لوگ ہزاروں سکے ڈھال رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم نے ان کا کھوج بھی اسی گرد و نواح میں لگایا تھا، لیکن وہ مل نہیں سکے۔ اب خوش قسمتی سے، میرا خیال ہے کہ ہم نے ان کو جا لیا ہے۔"

لیکن انسپکٹر غلطی پر تھا۔ یہ جرائم پیشہ لوگ قانون کے ہاتھ آنے والے نہیں تھے۔ ہم جس وقت ای فورڈ اسٹیشن میں داخل ہوئے تو ہم نے دھوئیں کا ایک بہت بڑا بادل اُٹھتے ہوئے دیکھا۔ یہ قریب ہی درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے سے اُٹھ رہا تھا۔

"کیا کسی مکان میں آگ لگ گئی ہے؟" براڈ اسٹریٹ نے ٹرین سے اترنے کے بعد دریافت کیا۔

"ہاں جناب!" اسٹیشن ماسٹر نے جواب دیا۔

"آگ کب لگی؟"

"میں نے سنا ہے کہ رات میں کسی وقت لگی تھی، لیکن جناب اب تو صورت حال بہت خراب ہے۔ پورا مکان جل رہا ہے۔"

"یہ مکان کس کا ہے؟"

"ڈاکٹر بیچر کا۔" اسٹیشن ماسٹر نے جواب دیا۔

"ذرا یہ تو بتایئے کہ کیا ڈاکٹر بیچر جرمن ہے، بہت دُبلا پتلا اور لمبی ستواں ناک والا؟" انجینیئر نے سوال کیا۔

اسٹیشن ماسٹر ہنسنے لگا۔ "نہیں جناب، ڈاکٹر بیچر انگریز ہے۔ اور بہت ہی زیادہ موٹا ہے! البتہ اس کے ساتھ ایک غیر ملکی ٹھیرا ہوا ہے اور اُسے واقعی اچھی غذا کی ضرورت ہے۔"

ہم نے اسٹیشن ماسٹر کا شکریہ ادا کیا اور تیزی کے ساتھ آگ کی سمت چلے۔ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا سفید مکان تھا۔ آگ ہر ایک دراڑ اور کھڑکی سے باہر نکل رہی تھی۔ آگ بجھانے کے تین انجن سامنے کے باغ سے آگ پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہی وہ جگہ ہے!" ہیدرلی چیخا۔ "وہ رہا پتھریلا راستہ اور وہ رہیں گلاب کی جھاڑیاں، جہاں میں پڑا تھا۔ اور وہ دوسری کھڑکی، وہ جگہ جہاں سے میں کودا تھا۔"

"اچھا، تو کم سے کم تم نے اپنا بدلہ تو ان سے لے لیا ہے۔" ہومز نے کہا۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمھارے لیمپ نے آگ لگائی ہے۔ تم نے کہا تھا کہ جب تم پریس کے فرش پر معائنہ کر رہے تھے تو لالٹین فرش پر رکھ دی تھی۔ جب چھت نیچے آئی تو اُس کو کچل دیا اور لکڑی کی دیواروں میں آگ لگ گئی۔ وہ بدمعاش تمھارا پیچھا کرنے میں مصروف تھے، اس لیے اس کو نہ دیکھ سکے۔ اب تم اپنے دوستوں کو اس بھیڑ میں تلاش کرو۔ حال آں کہ مجھے یقین ہے کہ وہ اب تک ایک سو میل دور جا چکے ہوں گے۔"

ہومز کا خیال صحیح تھا۔ اُس دن سے آج تک اُس خوب صورت عورت اور اُس منحوس جرمن یا موٹے انگریز کا کوئی اتا پتا نہیں۔ اس روز صبح سویرے کسی نے ایک گاڑی دیکھی تھی جس میں کئی آدمی سوار تھے اور کچھ بھاری بھرکم صندوق

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

لدے ہوئے تھے۔ وہ سڑک پر تیزی کے ساتھ جا رہے تھے۔ یہ آخری موقع تھا، جب کسی نے اُن کو دیکھا۔

آگ بجھانے والے عمارت کے اندر اس عجیب مشین کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرانی اُن کو دوسری منزل پر کھڑکی کے قریب ایک انسانی انگوٹھے کو دیکھ کر ہوئی، آگ بجھانے کے لیے ان کی سب تدبیریں ناکام رہیں اور پورا مکان جل کر زمین پر آ رہا۔ جو کچھ باقی تھا وہ جلی ہوئی مشین اور ٹین اور نکل کی بڑی مقدار تھے۔ تاہم کوئی سکے ہاتھ نہ لگ سکے، بظاہر وہ بھاری بھرکم صندوقوں میں بھر دیے گئے تھے۔

انجینیر کو باغ سے سڑک تک کس نے پہنچایا یہ عقدہ کبھی حل نہ ہوسکا۔ البتہ کچی زمین پر دو آدمیوں کے پاؤوں کے نشان نظر آئے۔ ایک بہت چھوٹے پاؤں کا اور دوسرا کافی بڑے پاؤں کا۔"

غالباً انگریز ڈاکٹر نے بے ہوش انجینیر کو خطرے سے نکالنے میں عورت کی مدد کی ہوگی۔

واپسی کے سفر میں انجینیر کہنے لگا کہ" میں نے اپنا انگوٹھا کھویا اور فیس بھی نہیں ملی۔ اس سب کچھ سے آخر مجھے حاصل کیا ہوا۔؟"

"تجربہ....." ہومز نے ہنستے ہوئے کہا۔" جس کی کوئی قیمت نہیں۔"

قدرت کا انتقام

راجر شیرنگھم مستقل "زہریلی چاکلیٹوں" کے بارے میں سوچے جا رہے تھے۔ اخبار والوں نے اس قتل کے کیس کا یہی نام رکھا تھا۔ یہ قتل اس قدر کامیاب منصوبہ بندی سے کیا گیا تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ قتل کا محرک بھی اس قدر غیر واضح تھا کہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ طریقۂ قتل بھی بڑا غیر معمولی اور انوکھا تھا۔ اگر قاتل کی ذرا سی بدقسمتی شامل نہ ہوتی تو قتل کا راز راز ہی رہتا۔ قاتل یقیناً اس "بدقسمتی" کے لیے پہلے سے تیار نہ تھا، جہاں تک منصوبۂ قتل کا تعلق ہے وہ بلا شک و شبہ بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے بنایا گیا تھا۔

چیف انسپکٹر مورس بے نے قتل کی تفصیلات شیرنگھم کو بتاتے ہوئے کہا:

"۱۵ نومبر جمعے کی صبح کی بات ہے، سر ولیم پکاڈلی میں واقع کلب گئے۔ وہ ہمیشہ صبح کے وقت وہاں جاتے اور اپنی ڈاک دیکھتے تھے۔ اس دن بھی حسبِ معمول انھوں نے کلب میں جاتے ہی اپنی ڈاک کے بارے میں پوچھا۔ ملازم نے انھیں تین خطوط اور ایک چھوٹا سا پارسل دیا۔ سر ولیم انھیں لے کر بڑے ہال میں آتش دان کے سامنے بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد مسٹر گراہم برس فورڈ بھی وہاں آ گئے۔ وہ بھی کلب کے پرانے ممبر تھے۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

ان کے ہاتھ میں بھی کچھ خطوط تھے۔ سر ولیم نے انھیں دیکھ کر سلام کیا اور برس فورڈ سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

سر ولیم اپنے خطوط کھول کر پڑھنے لگے۔ اس کے بعد انھوں نے وہ پارسل کھولا۔ پارسل میں سے ایک رقعہ برآمد ہوا اور ایک چھوٹا سا چاکلیٹ کا پیکٹ بھی۔ رقعہ پڑھ کر سر ولیم کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات دوڑ گئے۔ برس فورڈ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے وہ خط جو پارسل میں تھا برس فورڈ کی طرف بڑھا دیا۔ برس فورڈ وہ خط پڑھ کر مسکرائے۔ یہ خط "میسن اینڈ سنز" کی طرف سے تھا۔ میسن اینڈ سنز چاکلیٹ بنانے کی مشہور کمپنی تھی۔ انھوں نے خط میں لکھا تھا، "کمپنی ایک نئے قسم کا چاکلیٹ متعارف کرا رہی ہے۔ اس کا ذائقہ دوسری چاکلیٹوں سے بہت مختلف اور لذیذ ہے۔ آپ کی خدمت میں اس چاکلیٹ کا تحفہ بھیجا جا رہا ہے۔ کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو یہ چاکلیٹ کیسے لگے؟ کمپنی آپ کے جواب اور آپ کی رائے کی منتظر رہے گی۔"

"ہنھ" سر ولیم نے غصے سے ہنکارا بھرا۔ "وہ سمجھتے کیا ہیں۔ کیا میں کوئی بچہ ہوں؟ جو چاکلیٹ شوق سے کھاؤں؟ میں انھیں بتاؤں گا کہ میں اس کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہوں۔ میں تو یہ معاملہ کلب کی کمیٹی کے سامنے رکھوں گا۔ تاکہ آئندہ اس قسم کا مذاق کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہو۔" برس فورڈ نے سر ولیم کی بات سن کر کہا:

"مگر ان چاکلیٹوں نے مجھے اپنی شرط یاد دلا دی۔"

"کیسی شرط؟" سر ولیم حیرت سے بولے۔

"کل میں اور میری بیوی ایک ڈراما دیکھنے کے لیے امپیریل تھیٹر گئے تھے۔ میں نے اپنی بیوی سے شرط لگائی کہ اگر وہ یہ بتا دے کہ ڈرامے میں قاتل کون ہے تو میں اسے چاکلیٹ کا ایک پیکٹ دوں گا۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

اس نے یہ شرط جیت لی۔ اب مجھے اس کے لیے ایک پیکٹ لے جانا ہے۔ کیا آپ نے وہ ڈرامہ دیکھا؟ بہت شان دار ڈرامہ ہے۔" برس فورڈ نے کہا۔

سر ولیم نے جواب دیا، "نہیں، میں نے نہیں دیکھا۔" پھر وہ بولے "آپ ایسا کریں یہ چاکلیٹ کا پیکٹ لے جائیں۔ اس طرح آپ کو نیا پیکٹ خریدنا نہیں پڑے گا۔"

"نہیں، شکریہ! میں خرید لوں گا۔" برس فورڈ نے کہا۔

لیکن سر ولیم نے وہ پیکٹ انھیں دیتے ہوئے کہا، "کوئی بات نہیں آپ یہ رکھ لیں۔ میں یوں بھی اس کا کیا کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" برس فورڈ نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ وہ پیکٹ لے لیا۔ اس کے بعد وہ دونوں رخصت ہوگئے۔ ملازم نے وہ کاغذ جس میں چاکلیٹ کا پیکٹ لپٹا ہوا تھا اور وہ خط جو کمپنی والوں نے لکھا تھا میز پر پڑا دیکھا تو اٹھاکر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ بعد میں یہ دونوں چیزیں وہیں سے ملیں۔

سر ولیم تقریباً پچاس سال کے سرخ و سپید رنگت والے ایک معزز شہری تھے۔ برس فورڈ لمبے، سانولے اور معمولی شکل و صورت والے آدمی تھے۔ انھیں زیادہ تر خاموش رہنا پسند تھا۔ ان کے والد ان کے لیے خاصا ورثہ چھوڑ گئے تھے۔ خود ان کی بھی کئی کمپنیاں تھیں۔ ان کی ساری دل چسپیاں انھی کمپنیوں تک محدود تھیں۔ ان کی بیوی بھی خاصے امیر باپ کی بیٹی تھیں۔ ان کے جہاز چلا کرتے تھے۔ وہ ایک بہت بااصول خاتون تھیں اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں۔

اس روز کھانا کھانے کے بعد مسٹر برس فورڈ نے کافی پینے کے دوران چاکلیٹوں کا پیکٹ نکالا اور بیوی کو دیا جسے انھوں نے فوراً ہی کھول کر کھانا شروع کر دیا۔

"چاکلیٹ کا اندرونی حصہ کچھ زیادہ ہی سخت ہے۔ میرا تو منھ چھل گیا۔" چاکلیٹ کھانے کے دوران انھوں نے شکایت کی۔ برس فورڈ نے بتایا کہ یہ ایک نئی قسم کی چاکلیٹ ہے جو ابھی دکانوں پر بھیجی نہیں گئی ہے۔ صرف نمونہ آیا ہے۔ اس دوران ایک چاکلیٹ مسٹر برس فورڈ نے بھی کھائی، مگر انھیں بھی یہ کچھ عجیب سی لگی۔ اس کا ذائقہ کڑوے باداموں کا سا تھا۔ "واقعی چاکلیٹ تو خاصے سخت ہیں اور کچھ زیادہ مزے کے بھی نہیں ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"شاید ان میں الکحل ملی ہے۔" مسز برس فورڈ نے رائے ظاہر کی۔ اس دوران وہ مستقل چاکلیٹ کھاتی رہیں۔

"میں ابھی تک فیصلہ نہیں کرسکی کہ یہ چاکلیٹ مجھے پسند آئے یا نہیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے ایک اور چاکلیٹ کھالی۔ تھوڑی دیر بعد مسٹر برس فورڈ ایک میٹنگ میں چلے گئے اور مسز برس فورڈ بیٹھی مزید چاکلیٹیں کھاتی رہیں۔

یہ وہ تمام واقعات و گفت گو تھی جو مسٹر برس فورڈ کو اپنی بیوی کے مرنے کے بعد بھی اچھی طرح یاد رہی۔

وہ گھر سے ڈھائی بجے نکلے تھے۔ پونے چار بجے وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں پکاڈلی کلب پہنچے۔ ٹیکسی ڈرائیور اور چوکیدار بڑی مشکل سے انھیں کلب کے اندر لائے۔ ان کا رنگ بے انتہا زرد تھا اور ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔ جب ایک ملازم ڈاکٹر کو بلانے جانے لگا تو انھوں نے اسے روک دیا، "نہیں میرا خیال ہے میرے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہے۔ تھوڑی دیر میں ٹھیک ہوجاؤں گا۔" جب ملازم چلا گیا تو انھوں نے سر ولیم سے کہا۔ "میرے خیال میں جو چاکلیٹ آپ نے مجھے دیئے تھے ان میں کوئی خرابی تھی۔ مجھے اپنی بیوی کا حال معلوم کرنا چاہیے اس نے تو ....." یہ کہتے کہتے وہ اچانک چُپ ہوگئے اور ان کے جبڑے بھنچ گئے وہ شدید تکلیف میں تھے۔ سر ولیم نے جھک کر ان کا چہرہ دیکھا۔ انھیں برس فورڈ کے منھ سے

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

کڑوے باداموں کی سی خوش بو آئی۔ برس فورڈ کی حالت خاصی خراب تھی۔ لگتا تھا وہ مرنے والے ہیں۔ سر ولیم نے فوراً ایک ملازم کو ڈاکٹر لانے کے لیے بھیجا۔ اس دوران برس فورڈ کے گھر سے فون آیا کہ مسز برس فورڈ کی حالت بہت خراب ہے۔

ڈاکٹر کے بروقت آنے سے مسٹر برس فورڈ بچ گئے۔ غالباً ان کی بیوی نے زیادہ چاکلیٹ کھا لیے تھے۔ اسی لیے ان کا بچنا مشکل ہوگیا۔ رات ۸ بجے کے قریب برس فورڈ کو ہوش آگیا اور صبح ہوتے ہوتے ان کی طبیعت بہتر ہوچکی تھی۔

مسز برس فورڈ بے ہوشی کے عالم میں ہی چل بسیں۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق ان کی موت زہر کھانے سے ہوئی۔ مسٹر برس فورڈ کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی ایک پولیس آفیسر "میسن اینڈ سنز" کمپنی پہنچ چکا تھا۔ شروع میں تو پولیس کا بھی یہی خیال تھا کہ چاکلیٹوں میں کڑوے باداموں کا تیل کچھ زیادہ ہی پڑ گیا، جس نے مسز برس فورڈ کی جان لے لی۔ مگر جلد ہی اس غلط خیال کی تردید ہوگئی۔ یہ کمپنی تو چاکلیٹ بنانے میں بادام کا تیل استعمال ہی نہیں کرتی تھی۔ کمپنی کے منیجر نے اس خط کو جو سر ولیم کو موصول ہوا تھا بڑے غور سے پڑھا اور فوراً ہی تصدیق کردی کہ یہ جعلی ہے۔ ان کی کمپنی نے نہ تو خط بھیجا، نہ پارسل، انھوں نے کسی نئی چاکلیٹ کو متعارف کرانے کا سوچا بھی نہیں۔

منیجر نے ان چاکلیٹوں کو جو پارسل کی گئی تھیں غور سے دیکھا تو انھیں ایک چاکلیٹ میں باریک سا سوراخ نظر آیا۔ اس سوراخ سے اصل فلنگ نکال کر اس میں زہر بھرا گیا تھا۔ پولیس انسپکٹر نے محدّب عدسے سے چاکلیٹ کا معائنہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ منیجر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ گویا کوئی سر ولیم کو قتل کرنا چاہتا تھا۔

اسکاٹ لینڈ یارڈ پولیس کو اب قتل کا یہ معمّہ حل کرنا خاصا مشکل

لگ رہا تھا۔ چاکلیٹ ماہرین کے پاس بھیجی گئیں تاکہ وہ زہر کی قسم کا تعین کرسکیں۔ سر ولیم اور برس فورڈ کے بیانات دوبارہ لیے گئے۔ مگر ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا تھا کہ مسٹر برس فورڈ کو اس کی بیوی کے قتل کی خبر ہرگز نہ سنائی جائے۔ سر ولیم خود بھی سخت حیران تھے کہ انھیں یہ کس نے قتل کرنے کی کوشش کی اور کون ان کا دشمن ہے؟ ان کی تو کسی سے دشمنی بھی نہیں تھی۔ اپنی بیوی سے وہ علاحدہ ہوچکے تھے۔ وہ فرانس میں رہتی تھی۔ ان کے بچے بھی نہیں تھے۔ ان کا وارث ان کا ایک بھتیجا تھا، مگر سر ولیم کے پاس نہ جائیداد تھی نہ دولت۔ پھر وہ کیوں ان کے خون سے ہاتھ رنگتا؟

چاکلیٹوں کے معائنے سے دو باتیں سامنے آئیں۔ ایک تو یہ کہ چاکلیٹوں میں کڑوے باداموں کا تیل استعمال نہیں ہوا تھا بلکہ نائٹر بنزین استعمال ہوئی تھی۔ دوسرے یہ کہ نائٹرو بنزین جس کی خوش بو باداموں سے ملتی ہے، رنگ اور پرفیوم بنانے کے کام آتا ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ چاکلیٹوں کے پیکٹ کی اوپر والی تہ کی چاکلیٹوں میں یہ "زہر" ایک خاص مقدار میں بھرا گیا تھا۔ باقی سب چاکلیٹیں عام جیسی تھیں۔

جس کاغذ پر خط لکھا تھا، وہ کاغذ عام طور پر میسن اینڈ سنز میں استعمال ہوتا تھا۔ کمپنی کا نام اور پتا اس پر چھپا ہوا تھا۔ معلوم نہیں کہ قاتل نے یہ کاغذ کہاں سے حاصل کیا تھا۔ کاغذ کے کنارے پیلے تھے۔ گویا یہ خاصا پرانا تھا۔ جس ٹائپ رائٹر پر خط ٹائپ کیا گیا اس کا بھی سراغ نہ مل سکا۔ ٹائپ کے حروف سے لگتا تھا گویا یہ ٹائپ رائٹر بھی خاصا پرانا تھا۔ ریپنگ پیپر سے یہ پتا چلا کہ یہ پارسل ساؤتھمپٹن اسٹریٹ پوسٹ آفس سے ساڑھے آٹھ اور ساڑھے نو بجے کے درمیان قتل سے ایک رات قبل پوسٹ کیا گیا تھا۔ سر ولیم کا نام اور پتا بڑے حروف میں ٹائپ کیا گیا تھا۔ اب ایک بات بالکل واضح تھی۔ ظاہر ہے جو

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

کوئی بھی سر ولیم کو قتل کرنا چاہتا تھا، پکڑے جانے کے تمام مواقع سے بچنا چاہتا تھا۔"

چیف انسپکٹر موریس بے نے یہ تمام واقعات سنانے کے بعد کہا:

"مسٹر شرنگھم اب تک ہم نے اصل قاتل تلاش کرنے کی بہت کوشش کی، مگر ابھی تک اس کا سراغ نہیں لگا سکے کہ یہ چاکلیٹ کس نے بھیجے ہیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"ہاں یہ ایک مشکل کیس ہے۔" شرنگھم نے کہا، "میں کل ہی مسٹر برس فورڈ کے ایک پرانے دوست سے ملا ہوں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ برس فورڈ بیوی کی موت سے بہت افسردہ ہے۔ اللہ کرے کہ اس کا قاتل جلد پکڑا جائے۔"

"ہاں ہماری بھی یہی کوشش ہے۔" موریس نے کہا۔

"چاکلیٹ بھیجنے والا کوئی بھی ہوسکتا ہے۔" شرنگھم نے کہا، "کوئی عورت بھی ہوسکتی ہے۔"

"یہی بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی۔" انسپکٹر موریس بے نے کہا، بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ یہ قتل عورت نے کیا ہے۔ عورت ہی چاکلیٹ میں زہر دینے کے بارے میں سوچ سکتی ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔" شرنگھم نے کہا، "کیا سر ولیم آپ کی مدد نہیں کرسکتے؟"

"شروع میں تو میرا خیال تھا کہ انھیں کسی عورت پر شبہ ہے اور وہ ظاہر نہیں کررہے، مگر اب میں نے اپنا خیال بدل دیا ہے۔" انسپکٹر موریس خاموش ہوگیا۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے دوبارہ بولا:

"اس قتل میں ایک بات بہت غیر معمولی ہے یعنی قتل کا محرک میں نے اس بارے میں بہت سوچا، مگر اسی نتیجے پر پہنچا کہ سر ولیم

کو قتل کرکے کسی کو کوئی فائدہ نہیں۔ انھوں نے کبھی کسی کے ساتھ کوئی دھوکا بازی نہیں کہ جس کے بدلے میں کوئی انھیں قتل کرنے کی سوچے۔ اب صرف یہی ایک بات رہ گئی ہے کہ کسی پاگل نے انھیں یہ چاکلیٹ بھیجے ہوں۔ ممکن ہے وہ پاگل سر ولیم کو جانتا تک نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے یہ کسی پاگل عورت کا کارنامہ ہو، مگر ہم قاتل تک پہنچیں کیسے؟"

شرنگھم نے کہا، "محض اتفاقیہ طور پر۔ بہت سے کیس محض اتفاقیہ حل ہوئے ہیں۔" شرنگھم کو اس بات کا یقین تھا کہ اتفاقیہ طریقے سے انھیں قاتل کا پتا چل سکتا ہے، مگر موریس بے کا خیال تھا کہ یہ کسی دیوانے کی حرکت ہے اس لیے وہ اس کیس پر کام کرنے کو تیار نہ تھا، مگر پھر بھی موریس بے خاصے عرصے تک اس کیس کے بارے میں متفکر رہا۔

ایک اتفاقیہ ملاقات نے راجر شرنگھم کو دوبارہ اس کیس میں دل چسپی لینے پر مجبور کردیا۔

ہوا یوں کہ راجر ایک دن بونڈ اسٹریٹ پر ایک ہیٹ خریدنے جارہا تھا کہ انھیں مسز ورکر سامنے سے آتی دکھائی دیں۔ مسز ورکر ایک خوب صورت اور امیر بیوہ تھیں۔ وہ راجر کو بہت پسند کرتی تھیں، مگر راجر ہمیشہ ان سے کتراتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے بچ نکلنے کی بہت کوشش کی، مگر ٹریفک کے رش کی وجہ سے پکڑا گیا۔

"ارے مسٹر شرنگھم! آپ کہاں غائب ہیں؟" وہ زور سے بولیں۔ "میں تو کب سے آپ سے ملنا چاہ رہی تھی۔ یہ بتائیں کیا آپ اس بے چاری جون برس فورڈ کے کیس پر کام کررہے ہیں؟"

راجر مسکرایا اور کچھ کہنے کو منھ کھولا ہی تھا کہ وہ پھر شروع ہوگئیں:

"مجھے اس کے قتل پر اس قدر صدمہ ہوا ہے کہ میں بتا نہیں سکتی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں وہ میری کتنی اچھی دوست تھی! افسوس بے چاری

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

نے خود اپنی موت کو دعوت دی۔ ہے نا افسوس کی بات۔"

"آپ کا کیا خیال ہے کیا وہ خود ہی اپنی موت کی ذمے دار تھی" راجر نے پوچھا۔

"میرے خیال میں تو یہ اس کی قسمت تھی۔ اس نے چاکلیٹ والی شرط ہی کیوں لگائی۔ نہ وہ شرط لگاتی نہ زہریلی چاکلیٹ کھاتی۔" پھر انھوں نے اپنا لہجہ ذرا پُر اسرار بناتے ہوئے کہا، "جو بات میں آپ کو بتا رہی ہوں، کسی کو بھی نہیں بتاؤں گی۔ وہ اس لیے کہ آپ میری بات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جون نے اپنے میاں کو دھوکا دیا۔"

"کیا مطلب؟" راجر نے حیرت سے پوچھا۔

مسز ورکر اپنے جملے کا اتنا اچھا اثر دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور بولیں: "جون نے یہ کھیل پہلے دیکھا تھا۔ ہم اس کھیل کو پہلے ہی ہفتے دیکھ چکے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے تو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ قاتل کون ہے مگر اس نے یہ بات اپنے شوہر کو نہیں بتائی۔"

راجر اچھل پڑا، "تو گویا انتقام کی ایک اتفاقی صورت پیدا ہوگئی۔ بہر اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔"

"ہاں۔" مسز ورکر نے کہا۔ وہ سمجھی نہیں کہ راجر کے ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔ "میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس قسم کی حرکت کرے گی۔ وہ تو ایک بہت ہی نفیس لڑکی تھی۔ بے حد سخی۔ آپ کو تو پتا ہی ہے وہ کتنی امیر تھی، مگر خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس نے چاکلیٹ کی شرط مذاق میں ہی لگائی ہو، مگر میں تو اسے ہمیشہ ہی سے سنجیدہ دیکھتی آئی ہوں۔ نہ معلوم اس نے ایسا مذاق کیوں کیا۔ وہ بہت اچھی، سچی اور نیک لڑکی تھی۔ ہمیشہ وقار اور متانت سے بات کرتی تھی۔ مگر اس چھوٹے سے دھوکے کی اس نے کتنی بڑی قیمت ادا کی۔ اس سے تو یہی پتا چلتا ہے کہ لوگوں کو آپ ان کے ظاہر سے نہیں سمجھ

سکتے۔ ہوسکتا ہے وہ اتنی سچی اور دیانت دار نہ ہو جتنا ظاہر کرتی تھی، مگر آپ یہ تو سوچیں جو اپنے شوہر کو اتنی چھوٹی سی بات میں دھوکا دے دے وہ بڑے بڑے معاملات میں کیا کرے گی۔ بہر حال، چھوڑیں میں اس بارے میں کچھ اور نہیں کہتی۔ آپ بتائیں۔ آپ تو میری بات سمجھ گئے۔ اس طرح دھوکا دینے کو لوگ بہت دل چسپ سمجھتے ہیں۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا مسٹر شرنگھم!"

"ہاں! کبھی کبھی تو یہ بہت دل چسپ ہوتا ہے۔" راجر نے کہا: "آپ نے ابھی سر ولیم کا ذکر کیا تھا۔ آپ انھیں جانتی ہیں؟"

"ہاں! تھوڑا بہت۔ بڑا ہی عجیب آدمی ہے۔ اس میں مستقل مزاجی بالکل نہیں ہے۔ دوستوں سے بہت جلد بے زار ہوجاتا ہے۔ یہی میں نے اس کے بارے میں سنا ہے۔" انھوں نے جلدی سے کہا۔

"افسوس کہ آپ اس دن مسٹر اور مسز برس فورڈ کے ساتھ امپیریل تھیٹر نہ تھیں، ورنہ یہ شرط کبھی نہ لگتی۔" برس فورڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"افسوس میں وہاں نہ تھی۔ اس رات میں ایک اور تھیٹر گئی تھی۔"

اور اس کے بعد راجر کو لندن کے تمام تھیٹرز اور ان میں ہونے والے ڈراموں کے بارے میں سننا پڑا۔ بہر حال مسز ورکر سے گفت گو کے دوران وہ ان سے برس فورڈ اور سر ولیم ارتھر کی چند تصاویر مانگ لینے میں کامیاب ہوگیا۔ مسز ورکر نے کہا وہ بہ خوشی کچھ دنوں کے لیے انھیں یہ تصاویر دے دیں گی۔ جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئیں۔ راجر نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا ان کے گھر پہنچا۔ یہی تصاویر لینے کا بہترین وقت تھا۔ کسی اور وقت تصویریں لینے میں انھیں ایک اور طویل طویل گفت گو کرنا پڑتی۔

مسز ورکر کے نوکر نے دروازہ کھولا اور انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ کمرے کے ایک کونے میں مسز ورکر کے دوستوں کی تصاویر تھیں۔ بہت سی

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

تصاویر میں سے راجر نے چھے تصویریں نکال لیں۔ جن میں سے تین تو مسٹر اینڈ مسز برس فورڈ اور سر ولیم کی تھیں اور تین تصویریں دوسرے لوگوں کی تھیں جنھیں وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ یہ احتیاط اس نے اس لیے کی کہ مسز ورکر یہ نہ جان پائیں کہ انھیں کس کی تصویر چاہیے۔

دن کے باقی حصّے میں وہ بے حد مصروف رہا۔ سب سے پہلے تو وہ ایک لائبریری گیا۔ جہاں سے اس نے کچھ ریفرنس کی کتابیں دیکھیں۔ پھر اس نے ٹیکسی پکڑی اور پرفیوم بنانے والی ایک کمپنی پہنچا۔ وہاں اس نے جوزف ہارڈوک کے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ یہ نام اس نے اپنی طرف سے لیا تھا، جس کی مدد سے اسے کمپنی کی تمام برانچوں کے بارے میں پتا چل گیا۔ پھر وہ ولسن نامی ایک کمپنی گیا۔ یہ کمپنی لوگوں کو سرمایہ کاری کی اسکیموں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی تھی۔ تھوڑی سی رقم لے کر یہ لوگوں کو سرمایہ کاری کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتی اسی کمپنی کی مدد سے راجر کو ان کمپنیوں کے بارے میں علم ہوگیا جو بہ ظاہر ٹھیک ٹھاک تھیں، مگر ان کی مالی حالت خاصی خراب تھی۔ اس سے فارغ ہوکر راجر سر ولیم کے کلب پکاڈلی پہنچا۔ اس نے چوکیدار سے کہا کہ وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ سے آیا ہے۔ اور اس سے بہت سے سوالات پوچھے۔ زیادہ تر سوالات چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں تھے۔

"اچھا تو قتل سے ایک رات پہلے سر ولیم نے یہاں کھانا نہیں کھایا تھا؟" راجر نے ایسے پوچھا گویا یہ سوال زیادہ اہم نہ ہو، مگر اس کا خیال غلط تھا۔ سر ولیم نے ہمیشہ کی طرح اس رات بھی کھانا یہیں کھایا تھا۔

"کیا تمھیں پورا یقین ہے کہ سر ولیم نے رات کا کھانا یہیں کھایا تھا"

"جی ہاں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" چوکیدار نے کہا۔

راجر نے وہیں سے میسن اینڈ سنز کے منیجر کو فون کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ خطوط کے لیے کاغذ کہاں سے حاصل کرتے ہیں۔ منیجر نے

تفصیلات بتائیں اور اس مشہور دکان کا نام اور پتا بھی بتایا جہاں سے وہ کاغذ لیتے تھے۔ راجر فوراً ہی اس دکان پر گیا اور دکان دار سے کہا کہ اسے بہت ہی عمدہ اور اچھی قسم کا کاغذ چاہیے۔ دکان دار نے اپنے ہاں ملنے والے کاغذات کی تفصیل بتائی اور پھر اسے نمونوں کی کتاب دکھائی جس میں تمام نمونے موجود تھے۔ راجر نے صفحے پلٹتے ہوئے کہا کہ اس کے ایک دوست نے پچھلے ہفتے یہاں سے کاغذ خریدے ہیں۔ اسی نے اس دکان کا پتا بتایا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے دوست کی تصویر نکالی اور دکان دار سے پوچھا، "آپ اسے پہچانتے ہیں؟" دکان دار نے تصویر دیکھی۔ اسے اس معاملے سے کچھ زیادہ دل چسپی نہ تھی، پھر بھی اس نے بتایا کہ اس شخص کو اس نے پہچان لیا ہے اور ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ راجر شکریہ ادا کرکے اٹھ گیا۔

راجر رات کا کھانا کھاکر ٹہلتا ہوا امپیریل تھیٹر کی طرف نکل آیا۔ ۸ ½ بجے کھیل شروع ہونا تھا۔ اس نے ٹکٹ خریدا اور کھیل دیکھنے چلا گیا۔

اگلی صبح راجر مورس بے کے پاس پہنچا اور اس سے کہا:

"کیا آپ ایسے ٹیکسی ڈرائیور کو ڈھونڈ دیں گے۔ جو قتل کی رات سے ایک رات قبل تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ایک شخص کو پکاڈلی سے ساؤتھمپٹن اسٹریٹ لے گیا ہو؟ اور اس ڈرائیور کو بھی جو اس شخص کو واپس لایا ہو۔ یہ ایک ڈرائیور بھی ہوسکتا ہے اور دو الگ الگ ڈرائیور بھی۔ میرا خیال ہے آپ میرا یہ کام ضرور کردیں گے؟"

"بات کیا ہے آخر؟" مورس بے نے پوچھا۔

"اصل میں میں ایک غلط کہانی کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔" راجر نے کہا "مجھے پتا چل گیا ہے کہ سر ولیم کو چاکلیٹ کا پیکٹ کس نے بھیجا تھا۔ بس اب میں ثبوت اکھٹے کررہا ہوں۔ جب آپ کو اس ٹیکسی ڈرائیور کا پتا چل جائے تو آپ مجھے فون کردیں۔" یہ کہہ کر وہ

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

اٹھا اور مورس کو حیران چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

باقی سارا دن راجر ایک مخصوص ٹائپ رائٹر تلاش کرتا رہا۔ وہ مختلف دکانوں پر گیا اور ہر جگہ ایک خاص قسم کا ٹائپ رائٹر طلب کیا۔ اس نے ہر دکان دار سے یہی کہا کہ اس قسم کے ٹائپ رائٹر کی تعریف اس کے ایک دوست نے کی ہے۔ آخر کار راجر اس دکان کو ڈھونڈنے میں کام یاب ہوگیا جس سے تقریباً ہفتہ بھر پہلے کسی نے یہ ٹائپ رائٹر خریدا تھا۔

ساڑھے چار بجے وہ گھر واپس آگیا۔ آدھے گھنٹے بعد ہی مورس بے کا فون آگیا۔ وہ راجر کا انتظار کر رہا تھا۔

"میرے دفتر میں چودہ ڈرائیورز ہیں۔ اب بتاؤ کیا کروں؟"

"میرے آنے تک انھیں روکے رکھو" راجر نے سکون سے جواب دیا۔ راجر نے تمام ٹیکسی ڈرائیوروں کو ایک ایک کرکے بلایا اور ان کو ایک تصویر دکھائی ایسے کہ مورس بے تصویر کو نہ دیکھ سکے۔ نویں ڈرائیور نے تصویر والے شخص کو پہچان لیا۔ مورس بے نے تمام ڈرائیوروں کو واپس کیا اور راجر سے پوچھا:

"مسٹر شرنگھم! اب تو بتائیے کہ آپ یہ سب کیا کر رہے ہیں؟"

"ضرور ضرور میں یہ سب کچھ آپ کے لیے ہی تو کر رہا ہوں۔ اب میرے پاس جواب بھی ہے اور ثبوت بھی۔" اس نے جیب سے ایک خط نکالا اور مورس کو دکھایا۔

"کیا یہ خط اسی مشین پر ٹائپ ہوا ہے جس پر وہ جعلی خط ٹائپ ہوا تھا؟"

مورس بے نے دراز سے وہ جعلی خط نکالا اور سنجیدگی سے پوچھا:

"مسٹر شرنگھم آپ کو یہ کہاں سے ملا؟"

"ٹائپ رائٹر کی دکان سے! یہ ٹائپ رائٹر چند ہفتے پہلے کسی اجنبی آدمی نے خریدا تھا۔ انھوں نے ان تصویروں میں سے جو میرے پاس ہیں خریدار

کو پہچان لیا۔ یہ مشین اسی آفس میں ایک دفعہ استعمال کی گئی تھی، یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا یہ صحیح ہے۔ یہ ایک عام مشین نہیں ہے۔ اسی وجہ سے میں اس کا پتا لگانے میں کام یاب ہوگیا۔"

"اب یہ مشین کہاں ہے؟"

"ہوسکتا ہے سمندر کی تہ میں ہو۔" راجر مسکرایا۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ قاتل بہت ہوشیار ہے اور وہ کوئی سراغ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ بہر حال اب میرے پاس اس کے خلاف مکمل ثبوت ہے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" مورس بے نے کہا، "مگر یہ کاغذ کہاں سے آیا؟"

"کاغذ نمونوں کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ میں یہ بھی ثابت کرسکتا ہوں کہ وہ شخص کاغذ والے کی دکان پر گیا تھا۔ نمونے کی کتاب میں بھی ایک خالی جگہ ہے، جہاں نمونہ ہونا چاہیے تھا۔"

"بہت خوب" مورس بے نے کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور بھی قاتل کی جائے واردات پر موجودگی ثابت کرسکتا تھا۔ وہ قاتل کو نو بج کر دس منٹ پر ساؤتھمپٹن اسٹریٹ لے گیا اور نو بج کر پچیس منٹ پر واپس لے آیا۔ پارسل یقیناً اسی وقت پوسٹ کیا گیا ہوگا۔

"مگر قاتل کون ہے، مسٹر شرنگھم!" مورس بے نے بے تابی سے پوچھا۔

"یہ وہ ہے، جس کی تصویر میری جیب میں ہے۔" راجر نے کہا۔

"آپ کو یاد ہوگا میں نے اتفاقیہ واقعات کی بات کی تھی۔ یہی اس کیس میں ہوا۔ اتفاق سے میری ملاقات سر راہ ایک بے وقوف عورت سے ہوگئی جس نے مجھے ایسی معلومات بہم پہنچائیں، جس سے مجھے قاتل کے بارے میں اشارہ مل گیا۔ اس ایک شخص کے علاوہ جس پر مجھے سب سے زیادہ شبہ تھا، مگر پھر ثابت یہی ہوا کہ میرا پہلا خیال ہی صحیح تھا۔"

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

"مگر قاتل کا نام تو بتائیے۔" مورس بے نے پھر پوچھا۔

راجر بولتا رہا، "یہ اس قدر خوب صورت منصوبہ تھا کہ ہم کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ ہم تفتیش میں کیا غلطی کررہے ہیں اور یہی غلطی قاتل ہم سے کروانا چاہتا تھا۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ قاتل چاہتا تھا کہ ہم یہ سوچتے رہیں کہ کوئی سر ولیم کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا اور اس کی جگہ کوئی اور قتل ہوگیا۔ حقیقت میں منصوبہ بالکل کام یاب تھا اور صحیح آدمی ہی قتل ہوا۔"

کیا مطلب؟" مورس بے نے حیرت سے کہا۔

"قاتل مسز برس فورڈ کو ہی مارنا چاہتا تھا۔ سارا منصوبہ اس نے بڑی ہوشیاری سے بنایا۔ ہر پہلو پر اس نے اچھی طرح غور کیا۔ ظاہر ہے سر ولیم یہ چاکلیٹ برس فورڈ ہی کو دیتے۔ قاتل یہ بھی جانتا تھا کہ ہم اس شخص کو تلاش کرتے رہیں گے جو سر ولیم کو قتل کرنا چاہتا ہو۔ ہم کبھی بھی اس شخص کو نہ ڈھونڈتے جو مسز برس فورڈ کو قتل کرنا چاہتا ہو۔ قاتل نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ ہم کسی پاگل عورت پر شبہ کریں گے جس نے چاکلیٹ میں زہر بھر کر بھیجا ہو۔"

"اوہ میرے اللہ" مورس بے نے کہا، "آپ کا مطلب ہے سر ولیم خود؟"

وہ مسز برس فورڈ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ انھیں چاہتا تھا، مگر پھر اس کی نظر ان کی دولت پر تھی، مگر انھوں نے اپنی دولت میں سے ایک پیسہ بھی اسے نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے اسے پیسے کی سخت ضرورت تھی۔ اس کی کمپنیاں خسارے میں جا رہی تھیں۔ گو اس کے پاس خود بھی خاصا پیسہ تھا، مگر اسے مزید رقم کی ضرورت تھی۔ آپ کو یاد ہوگا شروع شروع میں ہم نائٹرو بنزین سے بہت چکرائے، مگر حقیقت میں بہت آسان سی بات تھی۔ اس کی ایک

کمپنی پرفیوم بناتی تھی اسی وجہ سے اسے پتا تھا کہ نائٹرو بنزین زہریلی ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے اس نے احتیاطاً یہ خود تیار کی ہو فیکٹری سے نہ لی ہو۔ اسے تیار کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔"

" مگر سر ولیم اس قسم کے آدمی تو نہیں لگتے وہ تو بہت شریف آدمی لگتے ہیں۔ ایسا شریف آدمی اور ایسا ظالمانہ جرم!"

"سر ولیم؟" راجر نے کہا "سر ولیم کی بات کون کررہا ہے میں نے آپ سے کہا تھا کہ قاتل کی تصویر میری جیب میں ہے۔" اس نے جیب سے تصویر نکالی اور مورس بے کو دی۔ مورس بے تصویر دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا۔ یہ برس فورڈ کی تصویر تھی۔

" تو کیا برس فورڈ ہی وہ شخص تھا۔ اس نے ہی اپنی بیوی کو قتل کیا ہے؟" مورس حیرانی سے بولا۔

"ہاں۔" راجر بولا، "برس فورڈ اپنی بیوی کے سخت اصولوں کو بہت ناپسند کرتا تھا۔ میرا خیال ہے اس نے شادی ہی پیسے کی وجہ سے کی تھی، مگر اس نے اپنے شوہر کو کچھ بھی نہ دیا۔ اسے پیسوں کی سخت ضرورت تھی چناں چہ اس نے بیوی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اسے لے کر وہ امپیریل تھیٹر گیا۔ پہلے اور دوسرے ایکٹ کے درمیان اٹھ کر اس نے پارسل پوسٹ کیا۔ میں خود امپیریل تھیٹر گیا اور میں نے وقت نوٹ کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بھی اسے پہچان لیا۔ مسز برس فورڈ نے دس منٹ اس کی غیر حاضری کو محسوس بھی نہ کیا ہوگا۔"

" باقی سب تو بہت آسانی سے ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ سر ولیم روزانہ ساڑھے دس بجے کلب آتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سر ولیم اسے چاکلیٹ کا پیکٹ دیں گے۔ اس نے ان سے شرط کا ذکر بھی کردیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ پولیس غلطی کرے گی۔ اس نے یہ بھی احتیاط کی کہ وہ کاغذ اور خط آگ میں نہیں ڈالا۔ اس طرح پولیس پارسل بھیجنے والے کے بارے

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

میں یہی رائے قائم کرتی کہ یہ کسی پاگل نے بھیجے ہیں۔"

"بہت ہوشیاری سے یہ سارا کام کیا گیا۔" مورس بے نے کہا، "مگر یہ تو بتائیں کہ اس عورت نے سڑک پر آپ کو کیا بتایا تھا؟"

"اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ میں نے تو اس کی باتوں سے اندازہ لگایا۔ اس نے بتایا کہ مسٹر برس فورڈ شرط کا جواب پہلے سے جانتی تھی۔ اسی وقت میں نے سوچا کہ اس جیسی سچی عورت اس قسم کی جھوٹی شرط نہیں لگاسکتی۔ گویا اس قسم کی شرط لگی ہی نہیں۔ گویا برس فورڈ کسی اور وجہ سے چاکلیٹ لینا چاہتا تھا۔ بہرحال برس فورڈ ہی تو وہ واحد شخص ہے جس نے اس شرط کے بارے میں بتایا۔ وہ یقیناً گھر سے اس وقت تک نہ نکلا ہوگا، جب تک اس نے یہ نہ دیکھ لیا ہوکہ اس کی بیوی نے اچھے خاصے چاکلیٹ نہیں کھالیے۔ اسی وجہ سے اس نے ہر چاکلیٹ میں زہر کی ایک خاص مقدار بھری تھی۔ اس نے خود بھی دو چاکلیٹ کھالیے وہ جانتا تھا کہ دو چاکلیٹ کھاکر وہ مرے گا نہیں۔ کس قدر زبردست منصوبہ تھا"

مورس بے کھڑا ہوگیا۔ "مسٹر شرنگھم! میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ یہ انتقام اتفاقیہ ہی تھا۔ بعض اتفاقات ایسے ہی اہم ہوتے ہیں۔ اگر سر ولیم اپنی کسی خاتون دوست کو یہ چاکلیٹ دے دیتے؟" راجر نے کہا، "ہاں مورس بے! یہ بھی کچھ اہم بات نہ ہوتی۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا واقعی جو چاکلیٹ پارسل سے آئے تھے زہریلے ہوں گے؟ نہیں اس نے گھر جاتے ہوئے بدل لیے ہوں گے۔ وہ کسی قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اور کوئی ایسی اتفاقی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ پکڑا جائے، لیکن ہوا ایسا ہی۔"

باورچی خانے میں موت

ریوبرٹ موریسن ایک عزت دار اور امیر آدمی تھا۔ اپنی حماقت سے وہ جوانی میں ایک جُرم کر بیٹھا تھا۔ اس جُرم سے صرف ایک شخص واقف تھا اور وہ جارج میننگ تھا۔ اُس کا ہم جماعت۔ موریسن نے اُسے کچھ خط لکھے تھے جس میں اس جُرم کی تفصیل تھی۔ میننگ کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس نے اپنی عمر کا اچھا خاصا حصہ جیل میں گزارا تھا۔ جیل سے چھوٹنے کے بعد اُس نے موریسن کو اُس کا راز فاش کرنے کی دھمکی دے کر اُس سے رُپیا وصول کرنے کا ارادہ کیا۔ اُسے اُمید تھی کہ اس سے ایک بڑی رقم اُس کے ہاتھ لگ جائے گی۔ مگر اب حالات بدل چکے تھے۔ موریسن، کالج کا ایک کمزور لڑکا نہ تھا۔ وہ مال دار تھا اور معاشرے میں ایک عزت دار مقام رکھتا تھا۔

شروع میں اُس نے میننگ کو کچھ رقم تو دے دی، لیکن ساتھ ہی اُسے ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کا بھی ارادہ کرلیا۔ اُس نے بڑی احتیاط سے اس کام کا منصوبہ بنایا۔ پھر اپنے اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے ایک شام کو وہ میننگ کے گھر آیا۔ میننگ اُسے دیکھ کر خوش ہوگیا۔ وہ دونوں کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اسی دوران موریسن نے چپکے سے شراب میں بے ہوشی کی دوا ڈال دی۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

جب میننگ شراب پی کر بے ہوش ہوگیا تو موریسن اُسے گھسیٹ کر باورچی خانے میں لے آیا اور اُس کا سر اوون میں ڈال دیا اب یہ منظر صاف خودکشی کا لگتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہوکر اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے غور سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کہیں کوئی غلطی تو نہیں رہ گئی۔ چھوٹے سے باورچی خانے کے فرش پر میننگ کا جسم پڑا ہوا تھا اور اُس کا سر اوون میں تھا۔ یہ انداز کچھ غیر فطری سا تھا۔ مگر موریسن نے سوچا ٹھیک ہی ہے خودکشی کا منظر ایسا ہی ہونا چاہیے۔ پھر اُس نے کمرے میں آکر وہاں سے ایک تکیہ اُٹھایا اور میننگ کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ ذرا سا پیچھے ہٹ کے دیکھا۔ اب ٹھیک لگ رہا ہے۔ اگر وہ خود بھی مرنے کے بارے میں سوچتا تو اسی طرح آرام سے لیٹ کر خودکشی کرتا۔

اُس نے اپنے جوتے اتارے ہوئے تھے۔ تاکہ کسی قسم کی آواز نہ ہو۔ وہ بغیر آہٹ کے کمرے میں چل پھر رہا تھا۔ کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے تمام بتیاں کھلی ہوئی تھیں۔ کسی کے آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اسی لیے وہ بہت مطمئن تھا۔ مگر پھر بھی وہ ایسی کوئی نشانی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا جس سے پولیس کو کوئی شبہ ہو۔ اِدھر اُدھر غور سے دیکھتے ہوئے اُس کی نظر ایک پارسل پر پڑی۔ اس پر موریسن کا نام لکھا تھا۔ یہ تو یہاں نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اس نے سوچا۔ غالباً پارسل ڈالنے والا لڑکا اُسے غلطی سے یہاں ڈال گیا۔ اُس نے پارسل اٹھالیا اور سوچنے لگا کہ اسے ساتھ لے جاؤں۔ پھر اُس نے پارسل ایک طرف رکھ دیا کہ بعد میں سوچوں گا کہ اس کا کیا کروں۔ اب اسے ان خطوط کی تلاش تھی جو اُس نے اپنی حماقت سے میننگ کو لکھے تھے۔ وہ خط یقیناً یہیں کہیں مل جائیں گے۔ اس لیے کہ میننگ انتہائی غیر ذمّے دار اور لاپروا آدمی تھا۔ اس نے

انھیں سنبھال کر کہیں نہ رکھا ہوگا۔ شاید میز کی دراز میں ہوں۔ یہ میز سامنے ہی رکھی تھی۔ اُس نے دراز کھولی۔ وہ خط سامنے ہی رکھے تھے۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔ یہی خط تھے جن کی وجہ سے وہ بدمعاش میننگ اُسے بلیک میل کررہا تھا۔ موریسن سوچنے لگا کہ وہ بھی کتنا بے وقوف تھا کہ اس قسم کے خط میننگ جیسے آدمی کو لکھے۔ خیر! اب تو مسئلہ حل ہونے ہی والا تھا! موریسن نے خط اُٹھاکر جیب میں رکھ لیے۔ دستانے پہنے ہونے کی وجہ سے انھیں جیب میں رکھنے میں دقت ہوئی۔ مگر خیر اس کے پاس ابھی خاصا وقت تھا۔ کسی کے یہاں آنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میننگ کے دوست یوں بھی کم تھے۔ اُس کی بوڑھی نوکرانی بھی صبح ہی کام پر آتی تھی۔ وہ خاصی دور رہتی تھی۔ اس کے بھی دوسرے دن صبح سے پہلے آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

موریسن خاصا محتاط تھا۔ اُسے اس واقعے کے بارے میں کوئی کہانی بھی نہیں گڑھنی تھی۔ اس پر تو کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ لوگ اس کے بارے میں صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ کسی زمانے میں میننگ کے ساتھ پڑھتا تھا۔ اس لیے اُس پر شک کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

موریسن نے اچھّی طرح دونوں کمروں کا جائزہ لیا۔ دونوں کمروں میں چیزیں بے ترتیب پڑی تھیں اور ایسا لگتا تھا جیسے کافی عرصے سے صفائی نہیں ہوئی ہے۔ پھر وہ ڈرائنگ روم میں آیا اور ایک دفعہ پھر اچھی طرح سے جائزہ لیا کہ وہ اپنی کوئی نشانی تو چھوڑے نہیں جا رہا؟

ہاں اسٹور میں وہ پارسل اور میز پر رکھے دو گلاس ہیں۔ گلاس تو صرف ایک ہونا چاہیے۔ وہ دونوں گلاس لے کے باورچی خانے

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

میں گیا۔ انھیں دھوکر ایک کو تو وہیں الماری میں رکھ دیا اور دوسرا
لاکر کمرے میں میز پر رکھ دیا۔ اس میں تھوڑی سی شراب بھی ڈال دی۔
پھر میننگ کی انگلیاں گلاس پر رکھ کر زور سے دبائیں تاکہ اُس پر اس
کی اُنگلیوں کے نشان آجائیں۔ گلاس اب خالی بوتل کے ساتھ رکھا ہوا
تھا۔ گویا اس نے ضرورت سے زیادہ شراب پی لی تھی اور نشے کی حالت
میں خودکشی کرلی تھی۔ اُس نے جُھک کر میننگ کی نبض دیکھی۔ نبض
تیز چل رہی تھی، لیکن تقریباً نارمل تھی۔

سارا کام ٹھیک ٹھاک ہوگیا تھا۔ اب کرنے کو کچھ نہ تھا۔ صرف
وہ ایک کاغذ جو خوش قسمتی سے اس کے ہاتھ آگیا تھا۔ اتفاق سے
مہینا بھر پہلے میننگ نے اُسے ایک خط بھیجا تھا جو اس موقع کے
لحاظ سے بہت مناسب تھا۔ اُس نے لکھا تھا:

"..... میں اب تنگ آگیا ہوں۔ میرے لیے اب اس
سے زیادہ آسان طریقہ کوئی اور نہیں ہے۔ اس لیے
اب میں اسی کو استعمال کررہا ہوں۔ خوشی کے ساتھ
..... اللہ حافظ۔"

جارج میننگ

یہ خوشی یقیناً اس رقم کے لیے تھی جو اُسے موریسن کو بلیک میل
کرنے سے حاصل ہوتی۔ اس لیے نہیں کہ وہ موت کو مسکراتے ہوئے
گلے لگا رہا تھا۔

موریسن نے اچھّی طرح اطمینان کرلینے کے بعد یہ خط میز پر رکھا۔
گیس کھولی۔ جوتے پہنے پارسل اٹھایا اور چپ چاپ گھر سے باہر آگیا۔
جیسی کہ اُسے توقع تھی اُسے راستے میں کوئی نہیں ملا۔ گھر آتے ہی
اُس نے وہ تمام خطوط، جو اس کی پریشانی کا سبب تھے، جلادیئے
ساتھ ہی پارسل بھی جلا دیا اور اس کی راکھ سنک میں بہادی۔ اس

کام سے فارغ ہوکر اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔
وہ جانتا تھا کہ پولیس اس حادثے کے بارے میں ضرور اس
سے کچھ نہ کچھ پوچھے گی۔ بہرحال وہ ایک عزت دار آدمی تھا۔ وہ میننگ
سے کئی بار ملا تھا۔ پولیس سے وہ کیا کہے گا یہ اس نے پہلے ہی
سوچ رکھا تھا۔ وہ پولیس کو بتائے گا کہ آخری مرتبہ جب وہ میننگ
سے ملا تھا تو اُسے بہت اُداس اور پریشان پایا تھا۔
جیسا کہ توقع تھی اگلی صبح ایک پولیس والا اُس کے پاس آیا
موریسن نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا۔ یہ مسکراہٹ بھی اس
منصوبے میں شامل تھی۔

"ہاں! میں اسے جانتا تھا" اُسے پولیس کو یہی بتانا تھا!
"آپ اسے پہچانتے ہیں؟" پولیس والے نے کہا۔
"اوہ اللہ! یہ کیا؟ پولیس والے کے ہاتھ میں کیا تھا؟ اُس
کے پاس ایک چھوٹا سا بٹوا تھا جس پر سنہرے حرفوں میں R.M
لکھا تھا۔ موریسن نے فوراً اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ بٹوا وہاں سے
غائب تھا! یہ کب گرا؟ وہ سوچنے لگا۔ کہیں میز کی دراز میں سے
خط نکالتے ہوئے تو یہ میری جیب میں سے نہیں گر گیا؟ موریسن
بُت بنا بٹوے کو دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے بٹوا لے لیا۔
اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کررہا ہے اور پولیس والا
کیا کہہ رہا ہے۔ پولیس والا کہہ رہا تھا:

"پارسل پہنچانے والے لڑکے نے غلطی سے آپ کا پارسل
مسٹر میننگ کے گھر پہنچا دیا تھا۔ اُسے جب اپنی غلطی کا احساس ہوا
تو وہ صبح صبح پارسل لینے میننگ کے گھر گیا۔ کئی دفعہ دستک
دینے کے بعد بھی جب کسی نے دروازہ نہ کھولا تو وہ پچھلے دروازے
پر گیا۔ یہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر چلا گیا۔ اگرچہ اُسے اس طرح

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)

http://updf.weebly.com/

بغیر اجازت اندر نہیں جانا چاہیے تھا مگر ——" پولیس والا سانس لینے کو رُکا۔

پولیس والا کیا کہہ رہا ہے۔ موریسن کی حالت غیر تھی۔ وہ چیخنا چاہتا تھا "پلیز مجھے جلد بتاؤ۔ پھر کیا ہوا۔ اب مجھ میں مزید برداشت کی قوت نہیں ہے۔"

پولیس والا سانس لے کے بولا: "مگر باورچی خانے میں اندھیرا تھا اور میننگ اوون میں سر دیئے لیٹا تھا۔ بے چارا لڑکا خوف اور حیرت سے کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ پھر جب اُس کے حواس دُرست ہوئے تو اپنی سائیکل اُٹھا کر سیدھا میرے پاس آیا۔ میں فوراً میننگ کے گھر پہنچا۔ وہاں میں نے آپ کا بٹوا دیکھا تو سیدھا اِدھر آ گیا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں میننگ نے اچھا خاصا عرصہ جیل میں گزارا ہے۔ اس قسم کے لوگوں پر ہمیں نظر تو رکھنی ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر پولیس والا خاموش ہو گیا۔

موریسن سانس روکے اگلے جملے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ الفاظ جو اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے تھے۔

"جناب، یہ بٹوا آپ نے تو اسے نہیں دیا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ غلطی سے گر گیا ہو۔"

موریسن نے کچھ کہنا چاہا، مگر اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ پولیس والے نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

"عجیب آدمی ہے یہ میننگ بھی۔ اتنا عرصہ جیل کاٹ چکا ہے، پھر بھی لگتا ہے کہ وہ اپنی جان لینا چاہتا تھا۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ خودکشی کرنا چاہتا تھا۔" موریسن نے کہا مگر اُسے خود اپنی آواز اجنبی لگی۔

"میز پر شراب کی ایک بوتل رکھی تھی۔ وہ تقریباً خالی تھی۔

ہو سکتا ہے یہی وجہ ہو۔"

تو کیا پولیس والا جان گیا؟ "وجہ" سے اس کا کیا مطلب ہے؟ موریسن سوچ میں پڑ گیا۔ پولیس والا کچھ کہہ رہا تھا۔

"شاید یہی وجہ ہوگی۔ اللہ جانے یہ نشہ تھا یا پاگل پن کہ اُس نے اپنا سر تو اوون میں رکھ لیا۔ مگر یہ بھول گیا کہ پچھلے دو مہینے سے گیس کا بل ادا نہ کرنے کی وجہ سے گیس تو بند ہو چکی ہے۔ مجھے تو وہ اس وقت بھی نشے میں لگ رہا تھا مگر جناب یہ آپ کو کیا ہوا؟ پولیس والے نے گھبرا کے پوچھا:

موریسن بے ہوش ہو کر فرش پر گر چکا تھا۔

Anees-ur-Rehman (aneesssuet@gmail.com)